پیمانۂ سرور
سرور جہان آبادی
HADDA

پیمانۂ سرور

شاعری

سرور جہان آبادی

پاکٹ بک ایڈیشن شائع کردہ
مشورہ بک ڈپو۔ رام نگر۔ گاندھی نگر پوسٹ بکس 1639 دہلی

پیمانۂ سرور

سرور جہان آبادی

قیمت فی کتاب ایک روپیہ

ناشران :۔ مشورہ بک ڈپو

رام نگر۔ گاندھی نگر۔ پوسٹ بکس ۱۶۳۹ دہلی ۶

مطبوعہ :۔ دلی پرنٹنگ ورکس دہلی ۶

پاکستان کے لئے سول ایجنٹس :۔ یونین بک اسٹال۔ بندر روڈ۔ کراچی ۱

فہرست

تعارف

منشی دُرگا سہائے سرور ۱۸۷۳ء میں قصبہ جہان آباد۔ ضلع پیلی بھیت میں پیدا ہوئے اور ۱۹۱۰ء میں اس دارِ فانی سے ملکِ عدم کو روانہ ہو گئے۔

یہ ایک معزز کائستھ خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ انھوں نے ادائل عمر ہی میں اُردو اور فارسی پر عبور حاصل کر لیا تھا۔ ہندی اور انگریزی سے بھی کافی واقفیت تھی۔ یہ طالب علمی کے زمانہ ہی سے شعر و سخن سے دلچسپی رکھتے تھے۔ ان کی زیادہ تر نظمیں "زمانہ" اور "ادیب" میں اور چند نظمیں "مخزن" میں بھی شائع ہوئیں۔ یہ ایک قادر الکلام شاعر تھے۔ ان کا شمار صفِ اوّل کے شعرا میں ہوتا ہے۔ سوز و گداز، شوکتِ الفاظ، حُسنِ بندش، رنگینیٔ بیان، بلندیٔ تخیّل، پاکیزگیٔ جذبات، اور تسلسل و روانی سرور کی خاص شاعرانہ خوبیاں ہیں۔ عمر نے وفا نہ کی ورنہ یہ اُردو شاعری کو اور بھی چار چاند لگاتے۔ یہ اپنے زمانہ میں آسمانِ ادب پر مہرِ درخشاں کی طرح چمکے اور انھوں نے اپنے تخیلاتِ فروزاں سے دُنیائے شاعری کو جگمگا دیا۔

اِن کا ایک مجموعۂ کلام "جامِ سرور" کے نام سے الہ آباد میں انڈین پریس سے اور دوسرا مجموعۂ نظم "خمخانۂ سرور" کے نام سے زمانہ پریس کان پور سے چھپ کر شائع ہوا۔ مگر آج کل یہ دونوں مجموعے نایاب ہیں۔ میں عرصۂ دراز تک ان دونوں مجموعوں کی تلاش میں سرگرداں رہا لیکن کہیں سے بھی یہ دستیاب نہ ہو سکے۔ اُس کارسازِ عالم کے کرم سے میرے ایک مخلص ساتھی سید بختیار احمد صاحب نے مہربانی فرما کر "خمخانۂ سرور" کے چند اوراق کرم خوردہ مجھے عطا فرمائے اور سرور صاحب کی چند اور نظمیں رسالہ "مخزن" اور دوسری کتابوں میں مل گئیں - یہ سب نظمیں مرتب کر کے ہدیۂ ناظرین کی جا رہی ہیں۔ ان نظموں میں وہ دلکشی و تازگی ہے کہ انھیں پڑھ کر دل کے کنول کھل جاتے ہیں۔ خمخانۂ سرور کا جو نسخہ دستیاب ہوا وہ نہایت شکستہ ہے اور اکثر اوراق بھی درمیان میں سے کم ہیں۔ اس کے باعث اکثر نظمیں نامکمل ہی پیش کی جا رہی ہیں، جس کا نہایت افسوس ہے۔

سرور صاحب کا آبائی پیشہ طبابت تھا، اس لئے انھیں بھی فنِ طبابت میں کافی دستگاہ حاصل تھی۔ ان کی مالی حالت اچھی نہ تھی۔ اس لئے یہ ہمیشہ تفکرات میں پریشان رہا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں اتنا زیادہ سوز و گداز اور درد و محن موجود ہے۔ ان پریشانیوں کے باوجود وہ اپنی پُر خلوص طبیعت کے باعث ہر دلعزیز ہو گئے۔ وہ ہر ایک سے عاجزی و انکساری اور خلوص و محبت سے پیش آتے تھے۔ اُنھیں کتب بینی کا بھی شوق تھا اس لئے ان کی استعداد علمی میں کافی اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ غم غلط کرنے کے لئے یہ تھوڑی

سی شراب بھی روزانہ پی لیا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ اس کی مقدار بڑھتی گئی اور یہی قبل از وقت ان کی ہلاکت کا باعث ہوئی۔

جناب منشی الٰہی بخش صاحب اعجاز لکھنوی اپنے قطعۂ تاریخ "خمخانہ سرور" میں یوں رقمطراز ہیں:-

ترجمانِ خیالِ بوقلموں — آہ وُرگا سہائے کاملِ فن
اُف ری رنگیں بیانیاں تیری — چُپ جنھیں سُن کے ہو ہزار چمن
طرزِ گفتار تھا وہ پاکیزہ — جس کے مدّاح تھے سب اہلِ سخن
پھر چھپیں تیری نظمیں بعدِ فنا — کیوں نہ دیں جان ان پر اہلِ سخن

فکرِ تاریخ ہے اگر اعجاز
کہہ دے مرغوبِ شاعرانِ زمن

(سمبت ۱۹۶۷)

دسمبر ۱۹۱۰ء کے "ادیب" میں سرور کی وفات پر ذیل کے الفاظ میں اظہارِ جذبات کیا گیا تھا:

"یہ خبر نہایت رنج و قلق کے ساتھ سُنی جائے گی کہ ۳ر دسمبر (۱۹۱۰ء) حال کو اُردو کا وہ خوشنوا شاعر جس کی دل کش شاعری نے نظمِ اُردو میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا تھا، جس کے درد بھرے اشعار میں سوز و گداز کی روح کھنچ گئی تھی اور جس کی نازک خیالی، نغز گوئی اور حاضر طبعی کے افسانے بالکل تازہ ہیں۔ ۳۷ سال کی عمر میں دفعتاً اُس دارِ سرور کی طرف روانہ ہوگیا، جہاں دُنیوی رنج

راحت اور عیش و مصیبت کی کشمکش سے ہمیشہ
کے لئے نجات حاصل ہو جاتی ہے۔"
میں ادارۂ مشورہ بک ڈپو، دہلی کا نہایت شکر گزار
ہوں جو میری استدعا پر تسرور صاحب کے ان
ادبی شہکاروں کو دنیائے ادب کی ضیافت
کے لئے پیش کر رہا ہے

ہیچمداں

رام کرشن مشفق گلشن آبادی ایم۔اے
لکچرار انگریزی
مسلم کالج، مراد آباد (یو، پی)

۲۶ر جون، ۱۹۶۴ء

نیا سال نئی اُمیدیں

صبحِ بہار لے کر پھولوں کا ہار آئی — دوشِ صبا پہ نکہت ہو کر سوار آئی
پہلو میں پھر مسرت لے کر نگار آئی — مُردہ دلوں کے قالب میں جانِ زار آئی

پھر سالِ نو نویدِ عیشِ دوام لایا
نوروز پھر خوشی کا ہم کو پیام لایا

دورِ اُفق پہ سورج نوروز کا پھر آیا — پھیلا کے اپنی کرنیں ذرّوں کو جگمگایا
پھر صبحِ آرزو نے جلوہ ہمیں دکھایا — خوابیدگانِ شب کو پھر نیند سے جگایا

پھر جوشِ حبِّ قومی اُٹھا اُمنگ ہو کر
آئی وطن کی اُلفت دل میں ترنگ ہو کر

کونپل نئی نکالی ہر نخلِ بوستاں نے — بدلا بہار کا پھر جوڑا نیا خزاں نے
دورِ کہن کو پلٹا پھر گردشِ جہاں نے — چھیڑا نیا ترانہ یارانِ نکتہ داں نے

پھر سالِ نو کے مقدم کا غُل ہے انجمن میں
نوروز کا ہے طوطی پھر بولتا چمن میں

کروٹ بدل رہا ہے سبزہ کنارِ جُو پھر
پھولوں میں بھینی بھینی ہے عطر کی سی بُو پھر
نوروز کے ہے لب پر بلبل کی گفتگو پھر
شاخوں پہ ہیں چہکتے مُرغانِ خوش گلو پھر

آئی بہارِ تازہ پھر باغِ آرزو میں
نُزہت بھری ہوئی ہے پھولوں کی رنگ و بو میں

دورِ نشاطِ گردوں پھر دورِ جامِ جم ہے
پھر خارزار ہستی گلدستۂ ارم ہے
خاموش انجمن میں بانگِ خروشِ غم ہے
اُٹھو کہ سونے والو فرصت کا وقت کم ہے

دل کو نئی اُمنگیں پھر گدگدا رہی ہیں!
پھر سالِ نو کی خوشیاں ہمت بڑھا رہی ہیں

خوابِ گراں ہے جو تم کو ہندوستان والو
پستی میں کیوں پڑے ہو اونچے نشان والو
کب تک یہ آہ ذلت اے عزوشان والو
کب تک یہ خوابِ غفلت سونے کی کان والو

خلدِ بریں کے جھونکے تم کو جگا رہے ہیں
رحمت کے آسماں سے پیغام آرہے ہیں

اُٹھ کر ذرا تو دیکھو دنیا کا رنگ کیا ہے
رفتار کیا جہاں کی قوموں کا ڈھنگ کیا ہے
ہے حفظِ وضع کیا شئے ناموس و ننگ کیا ہے
ایثارِ نفس کیا ہے قومی اُمنگ کیا ہے

قومی ترقیوں کا کچھ راز تو ہے آخر
حُبِّ وطن ہے کہ دو دل کو گداز آخر

☆

گلزارِ وطن

پھولوں کا کُنج دل کش بھارت میں اک بنائیں
حُبِّ وطن کے پودے اس میں نئے لگائیں
پھولوں میں جس چمن کے ہو بُوئے جاں نثاری
حُبِّ وطن کی قلمیں ہم اُس چمن سے لائیں
خونِ جگر سے سینچیں، ہر نخلِ آرزو کو
اشکوں سے بیل بوٹوں کی آبرو بڑھائیں
ایک ایک گُل میں پھونکیں روحِ شمیمِ وحدت
اک اک کلی کو دل کے دامن سے دیں ہوائیں
فردوس کا نمونہ اپنا ہو کُنجِ دل کش!
سارے جہاں کی جس میں ہوں جلوہ گر فضائیں
چھایا ہو ابرِ رحمت کا شامیانہ جس میں
رِم جھم برس رہی ہوں چاروں طرف گھٹائیں
مُرغانِ باغ بن کر اُڑتے پھریں ہوائیں
نغمے ہوں روح افزا اور دلربا صدائیں
حُبِّ وطن کے لب پر ہوں جانفزا ترانے
شاخوں پہ گیت گائیں پھولوں پہ چہچہائیں

چھائی ہوئی گھٹا ہو، موسم طرب فزا ہو
جھونکے چلیں ہوا کے اشجار لہلہائیں

اس کنجِ دلنشیں میں قبضہ نہ ہو خزاں کا
جو ہو گلوں کا تختہ، تختہ ہو اک جناں کا
بلبل کو ہو چمن میں صیاد کا نہ کھٹکا
خوش خوش ہو شاخِ گل پر، غم ہو نہ آشیاں کا
حبِ وطن کا مل کر سب ایک راگ گائیں
لہجہ جدا ہو گرچہ مرغانِ نغمہ خواں کا
ایک، ایک لفظ میں ہو تاثیرِ بوئے الفت
انداز دلنشیں ہو ایک ایک داستاں کا
مرغانِ باغ کا ہو اس شاخ پر نشیمن
پہنچے نہ ہاتھ جس تک صیادِ آسماں کا
موسم ہو جوشِ گل کا اور دن بہار کے ہوں
عالم عجیب دلکش ہو اپنے گلستاں کا

مل مل کے ہم ترانے حبِ وطن کے گائیں
بلبل ہیں جس چمن کے گیت اس چمن کے گائیں

شمعِ انجمن

سنہ ۱۹۰۹ع

اے شمع! اے حدیثِ سوزِ غمِ نہانی | بھاتی ہے دل کو تیری حسرت بھری کہانی
تیری طرح ہوں میں بھی سرگرمِ نوحہ خوانی | میرے نصیب میں بھی ہے سوزِ جاودانی

پروانگی تجھے دی قدرت نے سوزِ جاں کی
سینے میں آگ رکھ دی میرے غمِ نہاں کی!

راتوں کو جسطرح تو جلتی ہے انجمن میں | جلتا ہوں میں بھی یونہی سوزِ غمِ وطن میں
لپٹے ہوئے ہیں شعلے دونوں کے پیرہن میں | آتش بجاں ہیں دونوں اس محفلِ کہن میں

یعنی گدازِ الفت دونوں کے ہے دلوں میں
دونوں کی روشنی ہے دنیا کی محفلوں میں

آہوں سے جیسے اٹھتا دل سے ترے دھواں ہے | یونہی جلی بھنی اک لب پر مرے فغاں ہے
محفل میں جب ٹپکے تو جیسے خونفشاں ہے | آنکھوں سے میری یونہی اشکِ خوں رواں ہے

تجھ سے نہیں ہیں میرے لیل و نہار آنسو
روتی ہے چار آنسو تو میں ہزار آنسو

تو لے رہی سنبھالا رو رو کے ہے سحر کو | اس غم کدے میں بھی ہوں سرگرم ہول سفر کو
گلگیر سے ہے کاوش محفل میں تیرے سر کو | غم رگ سے لاگ میری ہے نوکِ نشتر کو

تُو سوز آشنا ہے۔ ایذا پسند ہوں میں
تُو آگ کی ہے مشعل۔ دودِ سپند ہوں میں

تُو جل کے جیسے اپنی ہستی مٹا رہی ہے
سوزِ فنا کی دل پر بجلی گرا رہی ہے
میرے جگر کو حسرت یونہی جلا رہی ہے
گرمِ تپش ہوں میں اور تُو تھرتھرا رہی ہے

شعلے نکل رہے ہیں میرے دل و جگر سے
اور اُٹھ رہا دُھواں ہے آہوں کا تیرے سر سے

سینے میں آہ تیرے سوزِ غم و محن ہے
داغوں کا اک شگفتہ دل میں مرے چمن ہے
پروانوں کا تجھے غم اے شمعِ انجمن ہے
قسمت میں آہ! میری دل سوزیٔ وطن ہے

جلتا ہوں سوزِ غم سے میں وہ فنا طلب ہوں
ہوں آگ پر لپکتا وہ کبکِ مضطرب ہوں

جب بے نشاں مکیں تھے کاشانۂ وطن میں
پروانے انجمن میں۔ بلبل نہ تھے چمن میں
شمس و قمر نہ تھے جب دُنیا کی انجمن میں
شعلے تھے دو فروزاں اس محفلِ کہن میں

حصے میں تیرے اک۔ اک قسمت میں میری آیا
اک تیری بزم میں۔ اک خلوت میں میری آیا

اک کھیل امتحاں تھا، سوزِ غمِ فنا کا
دونوں کو رفتہ رفتہ برقِ ازل نے تاکا
درماں نہ پا کے آخر اس دردِ لادوا کا
دی تجھ کو آگ غم کی، شعلہ مجھے وفا کا

تصویریں کھینچ دیں دو، سوزِ غم و محن کی
اک سوزِ انجمن کی۔ اک سوزشِ وطن کی

بُلبُل اور مَیں

او! چیخ کر قفس میں فریاد کرنے والے
او! ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں راتوں کو بھرنے والے

او حسرتِ چمن میں جی سے گزرنے والے
او عندلیبِ شیدا! پھولوں پہ مرنے والے

حسرت نصیب ہے تو، میں درد آشنا ہوں
پنجرے میں قید تو، میں زنداں میں مبتلا ہوں

نالے فراقِ گل میں تیری زباں پہ ہیں
صدمے مفارقت کے ننھی سی جان پر ہیں

تو ہے اسیرِ طفلی، اور دھان پان پر ہیں
زنداں میں سو جفائیں مجھ ناتواں پر ہیں

پابندِ قیدِ غم ہیں اِک سلسلے میں دونوں
فریاد میں جرس کی اک قافلے میں دونوں

پتلا میں غم کا ہوں، تو تصویر ہے محن کی
ارماں مجھے وطن کا، حسرت تجھے چمن کی

حسرت بھری صدا ہے مجھ زار و خستہ تن کی
لے غم فزا ہے تیری فسمہ یا جان شکن کی

قیدِ جفا میں تو، میں زنداں میں میہماں ہوں
تو نالہ گوش ہے، میں منت کشِ فغاں ہوں

پنجرے میں آہ! تو ہے سرگرمِ نوحہ خوانی
جھڑتے شرر ہیں منہ سے، اُف رے تپِ نہانی

زنداں میں تلخ میری ہے آہ! زندگانی
زنجیر کی صدا ہے، اور غم کی ہے کہانی

مجبور آہ! تو ہے مرغانِ نغمہ خواں سے
اور میں بچھڑ گیا ہوں یارانِ خوش بیاں سے

محوِ خیال تو ہے میں محوِ دوستاں ہوں
فرقت نصیب تو ہے میں یار و خانماں ہوں
تو مرغِ خستہ جاں ہے میں زار و ناتواں ہوں
تو آہ! مشتِ پر ہے میں مشتِ استخواں ہوں

بےچین کر رہی ہے خواہش تجھے چمن کی
اور خوں رلا رہی ہے حسرت مجھے وطن کی

کب تک زباں پہ شکوے صیادِ آسماں کے
کب تک جگر پہ چرکے تیغِ غمِ نہاں کے
جلتے دل و جگر ہیں پہلو میں سوزِ جاں کے
شعلے بھڑک رہے ہیں آہِ شرر فشاں کے

دونوں کو پھونک دے او امواجِ شرر زیستی
قیدِ جفا میں کب تک آخر فشار ہستی

زنداں میں آ بنی ہے دونوں کی آہ! جاں پر
خستہ ہیں پاؤں میرے - اور تیرے ناتواں پر
فریادِ شامِ غم میں دونوں کی ہے زباں پر
پھینکیں کمندِ نالہ آ! مل کے آسماں پر

زندانیوں پہ شاید کچھ لطف کی نظر ہو
حدّاد کو خبر ہو - صیاد پر اثر ہو

حبِّ وطن کے نغمے گاؤں میں پھر وطن میں
چھیڑوں نئے ترانے یاروں کی انجمن میں
اک عمر آہ! گزری قیدِ غم و محن میں
آزاد میں وطن میں، تو شاد ہو چمن میں

محوِ ترانۂ گل ہو تو شاخِ آشیاں پر
ہوں الفتِ وطن کے نغمے مری زباں پر

جون ۱۹۰۹ء

یادِ وطن

گیا بہار کا موسم خزاں کا دور آیا
شکستِ رنگِ گُلِ ارغواں کا دور آیا
پکارتی ہے صبا - امتحاں کا دور آیا
سکوتِ نالہ و ضبطِ فغاں کا دور آیا

کرے نہ شکوۂ صیاد بلبلِ دلگیر
نہیں اجازتِ نالہ - نہ ہو بلند صفیر

فلک زدوں کا نہیں آہ! دردرس کوئی
نہ ہمزباں ہے نہ مونس - نہ ہم نفس کوئی
ہے آہ! محوِ فغاں صورتِ جرس کوئی
پکارتا ہے یہ فریادیٔ قفس کوئی

اسیرِ کنجِ قفس آہ! میں غریب ہوا
یہ خوش نوائی کا مجھ کو صلہ نصیب ہوا

نسیم لیکے نہ غربت میں آئی بوئے وطن
کہ یاس بنکے رہی دل میں آرزوئے وطن
رہی نگاہ کو ہر چند جستجوئے وطن
بنا نہ آنکھ کا سرمہ غبارِ کوئے وطن

میں وہ غریب ہوں میرا وطن چھٹا مجھ سے
وہ عندلیب ہوں میرا چمن چھٹا مجھ سے

ہوا نہ کچھ مری فریاد کا اثر اب تک
کہ ہے پھری ہوئی صیاد کی نظر اب تک
یہ بدگماں کو کسی نے نہ کی خبر اب تک
کہ کھینچتا ہے وہ مرغِ شکستہ پر اب تک

زباں پہ شور ہے فریادِ صبحگاہی کا
کہ ہے قفس میں گلہ اپنی بے گناہی کا

وہی وطن کا سودا وہی ہے یادِ وطن
کہ دشت میں بھی ہے پیشِ نظر سوادِ وطن
جگر خراش ہے غربت میں روئیدادِ وطن
سنا ہے وقتِ خزاں ہے گلِ مرادِ وطن

قبائے سبزۂ نورس ہوا بداماں چاک
چمن میں لالہ و گل غم سے ہیں گریباں چاک

نہ آبرو ہے۔ نہ وہ رنگ و بو۔ نہ حسنِ قبول
کہ ہیں زمین پہ پامال اب وطن کے پھول
جہاں گلوں کے تھے تختے۔ وہاں جمے ہیں ببول
ہوائے دہر کا ہے آہ کچھ عجب معمول

ہوا ہے وقتِ خزاں آہ! گلشنِ پنجاب
کہ بلبلوں سے ہے خالی نشیمنِ پنجاب

★

خاکِ وطن

۱۹۰۷ء

آہ! اے خاکِ وطن! اے سُرمۂ نورِ نظر
آہ! اے سرمایۂ آسائشِ جان و جگر

تیرے دامن میں شگفتہ تھے کبھی قدرت کے پھول
گُندھ رہے تھے تیری چوٹی میں کبھی جدت کے پھول

ہر طرف جب چھا رہی تھی خوابِ غفلت کی گھٹا
موتی برساتی تھی تجھ پر ابرِ رحمت کی گھٹا

لوٹتا شب بھر قمر تھا سبزہ زاروں میں ترے
کھیلنے آتا تھا سورج آبشاروں میں ترے

تیرے کنجوں میں ترنم ریز تھے مُرغانِ قدس
تیرے ویرانے میں بھی خاکِ وطن تھی شانِ قدس

رفعتِ بامِ فلک تھی تیری پستی میں نہاں
عظمتِ خورشید تھی شرارِ اوج ہستی میں نہاں

جب تمدن کا بندھا عالم میں شیرازہ نہ تھا
شاہدِ قدرت نے رُخ پر جب ملا غازہ نہ تھا

بادۂ تہذیب سے خالی تھا جب یورپ کا خم
ایشیا کا آہ! جب بیڑہ تھا ریتی میں گم

جب نہ تھی یونان میں علم و ہنر کی روشنی
جلوہ افروز خرد تھی تیرے گھر کی روشنی

آہ! اے خاکِ وطن، اے جوہرِ کانِ علوم
آہ! اے شمعِ ادب، اے ابرِ نیسانِ علوم
جلوۂ روزِ ازل کی آہ! تو تنویر تھی
خُلد کی دیوی تھی تو عفت کی تو تصویر تھی
بزمِ قدرت میں نہ تھی جب جاں نوازی کی ادا
حُسن میں تیرے تھی شانِ بے نیازی کی ادا
تو اُٹھی تھی جس سے وہ خُلدِ بریں کی خاک تھی
سُرمۂ چشمِ ازل تیری جبیں کی خاک تھی
اُڑ رہا تھا پرچمِ جم جاہی اکبر یہیں
رزمگہ میں خونفشاں دارا کا خنجر تھا یہیں
شان اونچی تھی بڑی، اونچا گھرانا تھا ترا
بام و در اونچے تھے اونچا آستانہ تھا ترا
نجمِ شہرت جو کبھی تھے شوکتِ افلاک کے
تھے وہ اے خاکِ وطن! ذرّے یہیں کی خاک کے
اُف ری تری سوزِ محبت کی تپش!
تیرے پروانوں کے دل میں تھی قیامت کی تپش

کھینچ کر جذبہ جولا یا گھر سے بابر کو ترا
لے اُڑا یونان سے سودا سکندر کو ترا
آہ ! اے خاک وطن ! اے خانہ آرائے بشر
آہ ! اے جولا نگہ برق تماشائے بشر
تُو وہی ہے اب بھی اور تیرے مناظر ہیں وہی
تھے جو پہلے۔ اب بھی قدرت کے مناظر ہیں وہی
اب بھی تیرے آبشاروں کی فضا ہے خوشگوار
اب بھی تیرے سبزہ زاروں کی ہوا ہے خوشگوار
اب بھی ہیں زرخیز تیرے آہ ! قطعات زمیں
سیر کے قابل ہو اب بھی تیرے کنج دلنشیں
غنچہ و گل ہیں وہی، اور ہے وہی شانِ چمن
تھے جو پہلے۔ ہیں وہ اب بھی سرو و ریحان چمن
جنبشِ بادِ صبا میں جانفزائی ہے وہی
سبزہ صحرا میں اب بھی دلربائی ہے وہی
حسنِ قدرت آہ ! اب بھی تیرے میدانوں میں ہے
اب بھی اک شانِ دلآویزی بیابانوں میں ہے
چوٹیاں اب بھی ہمالہ کی وہی ہیں سر بستہ
پھینکتی ہیں اب بھی کرنیں چار سو اپنی کمند
تازگی اب بھی ہے تجھ پر سر بسر چھائی ہوئی
ولولوں میں دل کی بستی ہے مگر چھائی ہوئی

آہ! اے خاکِ وطن! اے دردمند و بیقرار
آہ! اے شوریدہ قسمت! اے پریشاں روزگار
اُڑ رہا تھا تیرا پرچم شوکتِ افلاک پر
سرنگوں ہے تیری عظمت کا نشاں اب خاک پر
تیری شہرت کے نگیں خاکِ عدم میں ہیں نہاں
اب نہ وہ تختِ مرصع ہے نہ تاجِ زرفشاں
جھلملا کر بجھ گئے سب تیرے ایواں کے چراغ
ہیں جگر کے داغ اب تیری شبستاں کے چراغ
اُڑ گیا نورِ سحر تاریکیٔ غم چھا گئی
نیرِ اقبال ڈوبا۔ شامِ ماتم چھا گئی
اُڑ گئی بوئے وفا، حُبِّ وطن جاتی رہی
چھا گیا رنگِ خزاں، شانِ چمن جاتی رہی
اب کہاں ایثارِ نفس اور اب وہ جانبازی کہاں
حسرتیں خوں گشتہ ہیں، کچھ دل کی بستی میں نہاں
پھر بھی اے خاکِ وطن، اُف رے وفاداری تری
چار سو ہے دہر میں، نہرِ کرم جاری تری
تیرے جنگل اب بھی ہیں خاکِ وطن مہماں نواز
تیرے ٹیلے میں ہے قدرت کی ادائے جاں نواز

★

بندے ماترم

(بنگال[1] کا قومی گیت مصنفۂ بنکم چندر چٹرجی)

آہ! یہ جاں بخش پانی یہ ہوائے خوشگوار
یہ تر و شاداب شیریں یہ ہوائے خوشگوار
ٹھنڈی ٹھنڈی عطر میں مہکی ہوئی باد جنوب
سبز کھیتوں کی فضائیں، اور یہ میدانوں کی دوب
ظلِّ شفقت ہو ترا اے مادرِ مشفق دراز
خاک پر کیا کیا تری تیرے مکینوں کو ہے ناز

اُف! وہ تیری چاندنی راتوں کا منظر خوشنما
آہ! یہ اشجار، یہ پھولوں کا زیور خوشنما
سو تبسم تیرے اندازِ تکلم پر نثار
دل کو کرتی ہیں تری شیریں صدائیں بیقرار

---

[1] ۱۹۰۸ء میں یہ صرف بنگال کا قومی گیت تھا۔ اور اُسی کا ترجمہ سرور نے نہایت روانی اور جوش سے کیا ہے۔ آزادئ ہند کے قبل ہی یہ گیت ہندوستان کا قومی ترانہ قرار دیا گیا تھا۔

سرزمینِ عیش ہے اے مادرِ دل سوز تو
آرزوؤں کی ہے بزمِ انبساط افروز تو

لاکھوں آوازیں ہیں تیرے گھر میں سرگرمِ خروش
جاں نثاروں میں ہیں لاکھوں تیری دستِ سرفروش
تو جوانوں کی ہے ہمت، تو دلیروں کی سپر
کانپتے ہیں دشمنوں کے تیری ہیبت سے جگر
نورِ دانش، تو فروغِ جلوۂ ایماں ہے تو
دل ہے تو۔ سرمایۂ صبر و شکیبِ جاں ہے تو

قوتِ بازو ہے میری مادرِ غمخوار تو
سینۂ پرغم میں ہے میری نفس کا تار تو

تیرا دیوا استھان دیوی! دل کے کاشانے میں ہے
تیری تصویرِ مقدس ہر صنم خانے میں ہے
مجھ سی تو ہے، زمانے میں اُجالا ہے ترا
ہر کنول کا پھول اور پانی شوالا ہے ترا
ہر ستی کا روپ ہے درگا کا ہے اوتار تو
نطق و دانش کی ہے دیوی مادرِ غمخوار تو

اُف! یہ سُندر چھب تری یہ سانولی صورت تری
دل کے مندر کی ہے زینت موہنی مورت تری

یہ تبسم ہائے شیریں یہ ادائے جاں نواز
آہ یہ شفقت بھری تیری صدائے جاں نواز
سبزۂ خودرو کا گہوارہ ہے تیری سرزمیں
تختۂ خلد بریں ہے تیری خوش منظر زمیں
پاک گنگا جل سے بڑھ ہے ترا آبِ طہور
تیرے پاکیزہ ثمر ہیں، میوۂ شاخِ سرور

آسماں کے نور کی ہے جلوہ گاہِ ناز تُو
خُلد کی ہے پاک دیوی مادرِ دمساز تُو

★

گنگا جی

سنہ ۱۹۰۷ء

اے آبِ رودِ گنگا! اُف ری تری صفائی
یہ تیرا حُسنِ دل کش! یہ طرزِ دل رُبائی
تیری تجلّیاں ہیں، جلوہ فروشِ معنیٰ
تنویر میں ہے تیری اک شانِ کبریائی
جمنا تری سہیلی۔ گو ساتھ کی ہے کھیلی
اُس میں مگر کہاں ہے تیری سی جانفزائی
بے لوث تیرا دامن ہے داغِ معصیت سے
موزوں ہے تیرے قد پہ ملبوسِ پارسائی
حُسنِ ازل کی گویا تو اک سُگھڑ ہے مورت
صانع نے تیری صورت کیا موہنی بنائی
اے نازشِ زمانہ! اے نقشِ نازِ عصمت
بھارت کی پاک دیوی! تُو ہے ہماری مائی
دِلبند ہم ہیں تیرے۔ لختِ جگر ہیں تیرے
نخلِ مراد ہے تو اور ہم ثمر ہیں تیرے

مینو سواد تجھ سے ہیں وادیاں ہماری
اور کشتِ آرزو ہے رشکِ جناں ہماری
وہ دن بھی ہو گا ہوں گے جب ہم غریقِ رحمت
اور تیرے نذر ہوں گی یہ ہڈیاں ہماری
گنگا میں پھینک آنا بعدِ فنا اٹھا کر
برباد ہو نہ مٹی او آسماں ہماری
یارب نہ دفن کر کے، احباب بھول جائیں
لے کر ہمارے خوش خوش گنگا کو بھول جائیں

او پاک نازنیں! او پھولوں کے گہنے والی
سرسبز وادیوں کے دامن میں بہنے والی
او نازِ آفریں! او صدق و صفا کی دیوی
او عفتِ مجسم! پربت کی رہنے والی
صلِّ علیٰ! یہ تیری موجوں کا گنگنانا
وحدت کا یہ ترانہ او چپ نہ رہنے والی
حسنِ غیور تیرا، ہے بے نیازِ ہستی
تو بحرِ معرفت ہے او پاکبازِ ہستی
ہاں تجھ کو جستجو ہے، کس بحرِ بیکراں کی
ہم پہ تو کچھ حقیقت کھلتی نہیں جہاں کی

جمنا جی

تیرے ساحل سے ٹپکتی اب بھی ہے شانِ بلند
آسماں فرسا ہیں تیرے اب بھی ایوانِ بلند
تیرے فرسودہ نشاں ہیں نقشِ نازِ حُسن و عشق
تیری موجوں میں نہاں ہے آہ! رازِ حُسن و عشق

آہ! اور نگیں ادا! او دلّی والی نازنیں
او! دو عالم کے حسینوں سے نرالی نازنیں
یاد آیا میکہ دل کش تھے ترے نقش و نگار
دن مُرادوں کے تھے۔ اور جوشِ جوانی کا اُبھار
چڑھ کے جب مینار پر اک لعبتِ[۱] ناز آفریں
دیکھتی تھی تیری موجوں کی ادائے دلنشیں

---

[۱] روایت ہے کہ پرتھوی راج نے دہلی کی وہ مینار جو آج قطب کی لاٹ کے نام سے مشہور ہے اس غرض سے بنوائی تھی کہ اس کی بیٹی مینار پر چڑھ کر جمنا جی کے درشن کر سکے۔

وہ کفِ سیلاب۔ وہ شورِ طلاطم ہائے ہائے
تیری موجوں کا وہ اندازِ تبسم ہائے ہائے

دھیمی دھیمی وہ تری رفتار بل کھائی ہوئی
وہ نظر جھینپی ہوئی۔ چتون وہ شرمائی ہوئی
وہ حسینوں سے نرالی تیری البیلی روش
دل پہ جادو کر نیوالی تیری البیلی روش
وہ سُریلی نغمۂ جوشِ تلاطم کی صدا
آہ وہ دلکش ترے سازِ ترنم کی صدا
برج کی او پاک دامن او مقدس نازنیں
نقش ہے دل پر تری اک اک ادائے دلنشیں

اب کہاں جمنا! تری موجوں کی مستانہ وہ چال
اب کہاں پانی کے بھرنے اور وہ لطف بے زوال
اب کہاں چھوٹا سادہ رادھا کا کُنجِ خوشگوار
اب کہاں وہ آہ متھرا! تیرے پھولوں کی بہار
اب کہاں وہ بنسی والے کی ادائے جاں نواز
اب کہاں وہ آہ مُرلی کی صدائے جاں نواز

اَب کہاں وہ خلوتِ رازونیازِ حُسن وعشق
بے صدا زیرِزمیں ہے آہ! سازِ حسن وعشق

وہ محبت وہ نشاط وعیش۔ وہ اندازِ حُسن
آہ! وہ سرمایۂ نازِ بقائے سازِ حُسن
وہ ترے شیریں ترانوں کی صدائے بازگشت
اَب بھی ہے لذّت فزا تیری نوائے بازگشت
تیرے دل میں اب بھی سرجوشِ محبت ہو وہی
آبِ شیریں میں ترے جمنا! حلاوت ہے وہی

او تلّون کیش! او کافر ادا! او دوں شعار
تو نے بدلے رنگ لاکھوں آہ! وضعِ روزگار
اک طلسمِ حیرت افزا ہے تری بزمِ نشاط
اک خیالِ روح فرسا ہے تری بزمِ نشاط
خاک اُڑ کر آہ! سرِ بر دامنِ ساحل اُڑا
ٹکڑے ٹکڑے کر جگر کو۔ پارہ ہائے دل اُڑا
سوزشِ غم سے پگھل جا آہ! اے ریگِ رواں
ذرّے ذرّے میں ترے تصویرِ عبرت ہے نہاں

اَب کہاں وہ کُنج دلکش اَب کہاں رادھا کا عیش
ہے برنگِ خندۂ گُل بے بقا دنیا کا عیش

اے خوشا! قسمت تری جمنا! خوشا تیرے نصیب
واہ وہ! تیرا مقدر۔ واہ وا! تیرے نصیب
تُو نے دیکھی ہے بہت دن مُرلی والے کی ادا
دونوں عالم کے حسینوں سے نرالے کی ادا
اور سُنی بنسی کی ہے برسوں صدائے دلنواز

داستانِ دردِ دل ۔ افسانۂ سوز و گداز
محشرستانِ الم کمبخت ہے کر دل کو چاک
چیر پہلو کو کہ نکلیں، نالہائے دردناک
ترجمانِ عشق رادھا ہیں کنہیا کو سُنا
نالہائے ناشکیبا ہیں، کنہیّا کو سُنا

سوئے متھرا آہ لے چل میرے نالوں کیلئے
ارمغانِ عشق رادھا، برج والوں کے لئے
تیرے درد انگیز نغمے ہیں جہاں گونجا کئے
سرکو ہیں دیوارِ قصرِ شہر سے ٹکرایا کئے

رو کے کہنا مُرلی والے سے مرے سر کی قسم
تیرے غم میں اَب بھی رادھا آہ ہے تصویرِ غم

تاکجا! یہ سرگزشتِ داستانِ دردِ غم
چھیڑ اے جمنا! کوئی تازہ بیانِ دردِ غم
ہو نہ سکیں آہ! تیرا شور ہو ماتم دلخراش
تیرے نالوں کی صدا یعنی ہو کم کم دلخراش
اے لبِ ساحل! سُنا ستیوں کی عصمت کا بیاں
پردہ افسانہ میں سوزِ محبت کا بیاں
تیرے پہلو میں ہے یہ کس حور وش کی یادگار
جس سے راتوں کو اُٹھا کرتے ہیں آہوں کے شرار

آہ! فرسودہ نشانِ عصمتِ جاں بازِ تُو
کس پری پیکر کا ہے نقشِ وفائے نازِ تو
ہے تری تعمیر میں مُضمر وہی شانِ وفا
تیری سرخشتِ کُہن ہے جوہرِ کانِ وفا
غُل نہ کر آہستہ آہستہ ہو اے جمنا! رواں
تاجِ عصمت کا یہاں ہے اِک اَدُر یکتا نہاں

آہ! جمنا! اَب بھی میدانوں میں ہنستی کھیلتی
بہہ رہی ہے تو بیابانوں میں ہنستی کھیلتی
تیری موجوں میں وہی اب تک ہے متوالی ادا
تجھ میں ہے دلکش وہی او گیسوؤں والی ادا
تیرے ساحل پر اُچھلتا جیسے آہو ہو کوئی
محوِ رقصِ نازِ پا طاؤسِ دلجو ہو کوئی

اے زہے شوکت تری جمنا۔ زہے! اعزاز و شاں
تجھ پہ لہرایا کیا اسلام کا صدیوں نشاں
تیرے دل میں آہ! اب بھی ہے قیامت کی تپش
تیرے پہلو میں ہے اب بھی خارِ حسرت کی خلش
حسرتیں ہیں سینکڑوں، تیرے دلِ مایوس میں
گوش بر آواز ہے، ذوقِ سماعِ کوس میں
ہائے! وہ ترکوں کے دستے۔ اور وہ سنگینوں کی شان
ترچھے بانکے وہ جواں۔ وہ چار آئینوں کی شان

بے صدا زیرِ زمیں ہے بزمِ شاہانِ غیور
آہ! جمنا! تجھ میں لیکن ہے وہی شانِ غرور

آہ! او! شکوہ طرازِ دستِ بے دادِ اجل
رو نہ خونِ آرزو۔ او! محوِ فریادِ اجل
آہ! اس دارِ فنا میں ہے بقا کس کے لئے
چھوڑنے والا ہے شاہینِ قضا کس کے لئے
آہ! اُس خوابِ شبانہ کا ہے مجھ کو انتظار
اس سرورِ عاشقانہ کا ہے مجھ کو انتظار
تیری اک اک موج تھی جب آہ! طوفاں کوشِ شوق
حلقۂ گرداب تھا جب ہالۂ آغوشِ شوق
جب کسی کے گیسوئے پُرخم کی سودائی تھی تُو
اور لبِ ساحل پہ روضہ کی تماشائی تھی تُو
آہ! جمنا! تجھ کو دورِ باستانی کی قسم
شوکتِ دیرینۂ صاحبقرانی کی قسم
کیا نہ ہوں گے تجھ کو وہ دل کش نظارے پھر نصیب
عظمتِ اسلام کے اگلے مظاہر پھر نصیب
ہو کے مضطر آہ جوشِ اضطرابِ دل سے کیا
یوں ہی ٹکرایا کرے گی سر کو تو ساحل سے کیا

کون یہ پردہ نشیں ہے تیرے دامن میں نہاں
کس کا چہرہ ہے نقابِ زلفِ پُرفن میں نہاں

تیری موجوں میں ہے یہ کس کی صدائے دلفریب
گا رہی ہے کون یہ غارت گرِ صبر و شکیب
خانۂ دل میں ہے تیرے کون محوِ رقص و ناز
آ رہی ہے کس کی چھاگل کی صدائے جاں نواز
وہ سمن اندام ہے یہ شاہدِ پردہ نشیں
جس کے پھولوں میں ہے آتی بوئے فردوسِ بریں
حوریں آ کر خلد سے طوفِ مزارِ پاک کو
جھاڑتی پلکوں سے ہیں گردِ خس و خاشاک کو

آہ! اے ممتاز تیرے عشوہ ہائے دلفریب
وہ تبسمہائے شیریں وہ ادائے دلفریب
وہ لبِ نازک پہ موجِ خندہ ہائے شکریں
آہ! وہ جمنا کا منظر، وہ نگاہِ شرمگیں
بکھری بکھری زلف وہ چہرے پہ بل کھائی ہوئی
شہہ کی چتون آہ! وہ دزدیدہ للچائی ہوئی

چھپ کے خلوت میں وہ آہستہ بڑھانا پائے شوق
سر میں آشوبِ محبت، دل میں اک غوغائے شوق

منہ چھپا کر آہ! وہ زیرِ نقابِ شرمگیں
رو ٹھکر کہنا لگاوٹ سے ترا اے نازنیں
روزنِ در سے نہ دیکھے مجھ کو چھپ چھپ کر کوئی
پیار سے ڈالے نہ دُزدِ دیدہ نظر مجھ پر کوئی

وہ نگاہِ شرمگیں۔ وہ عرضِ منت کے مزے
وہ سکوت افزا تبسم وہ محبت کے مزے
شوخیٔ حسنِ جنوں زا مانعِ زنجیرِ شوق
بینچی گردن میں حمائل دستِ دامنگیرِ شوق
رازِ اُلفت کے وہ پیغامِ نہانی ہائے ہائے
سرگزشتِ دیدہ و دل کی کہانی ہائے ہائے
آہ! جمنا! اب کہاں وہ داستانِ حسن و عشق
نقشِ عبرت اب ہیں فرسودہ نشانِ حسن و عشق

آہ! اے نقش و نگارِ شوکتِ عہدِ کہن
آہ! اے آئینہ دارِ شوکتِ عہدِ کہن
ہم نے مانا تجھ میں اب وہ شانِ برنائی نہیں
وہ غرورِ حسن۔ وہ تمکین۔ وہ رعنائی نہیں

ہم نے مانا تیرے چہرے کی ضیا جاتی رہی
تیری موجوں کی وہ مستانہ ادا جاتی رہی
مُنہ پہ گمنامی کا آنچل لے نہ اے پردہ نشیں
یوں ہی سرگرم خرام ناز رہ اے نازنیں
غم نہ طوفانِ حوادث کا کر اے سرجوشِ حسن
رنگ نسیانِ فنا میں ہو نہ خلوت کوشِ حسن
سر کو ٹکرایا کرے ساحل سے سیلِ روزگار
تیری شہرت کے نشاں صدیوں رہینگے یادگار

خستہ حالوں کی پریشانی مٹانے کے لئے
بھوک میں ڈھارس غریبوں کی بندھانے کے لئے
سبزۂ دگل دشت وہاموں میں اُگانے کے لئے
کشتِ بارانِ کرم کو لہلہانے کے لئے
جانِ شیریں تونے کردی آہ اے جہنا! نثار
تیری فیاضی دوہیچی کی طرح ہے یادگار

اے مقدس نازنیں اے شاہدِ نازک خرام
تو اگرچہ آہ! پورا کر چکی سب اپنا کام

گرچہ صدیوں سے نہیں اب وہ شکوہ و شانِ ہند
غنچۂ آشوب سے صد چاک ہے دامانِ ہند
رہگذرِ پست... بہنے کے لیے کر اک پسند
اور وہاں پر چھیڑ اپنے نغمہ ہائے دردمند

شوکتِ دیرینہ پہ اے نازنیں! اترا نہ دیکھ
جھونپڑے میں شاہزادی! خواب محلوں کا نہ دیکھ

لکشمی جی

۱۹۰۹ء

شُبھ مہورت وہ عجب تھی، وہ عجب شُبھ تھی لگن
کہ جب آکاش سے اُترا تھا ترا اسنگھاسن
نظر آئی تری صورت میں عجب حُسن کی جوت
تو نے دیوی ہمیں اپنے جو دکھائے درشن
اک چکا چوندہ کا عالم دمِ نظارہ تھا
گورا گورا تنِ نازک تھا سراپا کُندن
شعلۂ حُسن دلِ افسردہ بھڑکاتا تھا
رُخِ روشن پہ جو پڑ جاتی تھی سورج کی کرن
تھی چمک آہ! ترے چاند سے رخساروں کی
کسی مندر میں تھے یا گھی کے دیئے دو روشن
ترچھی بانکیں وہ کمانیں تھیں کڑی دونوں بھویں
لئے پھرتے تھے کبھی بن میں جنہیں رام و لکھن
دل کو چھینے لئے جاتی دمِ نظارہ تھی
پیاری پیاری تھی عجب چاند سے مکھڑے کی پھبن
تیرے ماتھے پہ تھا چندن کا لگا یا ٹیکا
اپسراؤں نے کیا تھا ترے رُخ پر اُبٹن

اور کنول کے تجھے پھولوں کا پہنا کر زیور
اُف ری! مشاطہ گری، تجھکو بنایا تھا دلہن
ناز تھا شاہدِ رعنائے ازل کو جن پر
تیرے حصے میں وہ بتیسوں تھے آئے ابہرن
رُخ تاباں پہ برستا تھا ترے نورِ ازل
بن کے ساون کی جھڑی اور کبھی بھادوں کی جھڑن
بھولی بھولی سی وہ صورت، وہ ادائیں پیاری
نیچی نیچی وہ نگہ - اور وہ انوکھی چتون
کوکلا سی وہ تری ہائے سُریلی آواز
میٹھے میٹھے ترے ڈوبے ہوئے امرت میں بچن
گوری گوری تھی جبیں، بر رخ کی سُندر کوئی نار
زُلف تھی یا کوئی متھرا کی سکھی شام برن
خوشنما کانوں میں کُنڈل تھے تو ہاتھوں میں کنول
اوڑھنی ہلکی سی ریشم کی تھی اک زیب بدن
تُو اس ناز و ادا سے، جو زمیں پر اُتری
دیکھنے والوں نے جُھک جھک کے لئے تیرے چرن
مچ گئی دھوم تری جلوہ گری کی پھر تو
پھوٹ نکلی تری شہرت کی زمانہ میں کرن

اہلِ نظّارہ سے تصویر تری بول اُٹھی
لکشمی ہوں۔ تمھیں دینے کو ہوں آئی درشن

آہ! اے رونقِ خلوت کدۂ عیشِ نشاط
آہ! اے شاہدِ رعنائے ازل کی دلہن

آہ! اے عفت و عصمت کی مجسّم دیوی
میرا منھ کیا ہے کروں جو تری مہما برنن

سب سے پہلے ترا بھارت میں ہوا آہ ظہور
سب سے پہلے یہیں اُٹھی ترے در کی چلمن

تُو وہ مورت تھی کہ اے لعبتِ زیبا تمثال
سب سے پہلے ترا بھارت میں ہوا استھاپن

سب سے پہلے تھی جو رشیوں کی زمیں پر چمکی
وہ ترے حُسن کی ضو تھی ترے جلوہ کی کرن

جس میں اُمید کا چہرہ نظر آیا ہمکو
تیرے ہی حُسن دل افروز کا تھا وہ درپن

کھڑکیاں تیرے شوالے کی تھیں آنکھیں اپنی
ان جھروکوں سے کیا کرتے تھے تیرے درشن

جاتری آتے تھے دیوی تری جھانکی کے لئے
دھوم متھرا سے جو تھی حُسن کی تا بندرا بن

جوت اس روپ سے تیری نظر آئی ہم کو
ہم یہ سمجھے ہوئے دھر دوار میں ہر کے درشن
گھی کے پریاگ میں جلتے تھے اِدھر آہ چراغ
کاشی والے تھے اُدھر تری عبادت میں مگن
جے مناتے تھے غرض سب تری بھارت باسی
کہیں پوجا تھی تری اور کہیں تیرا بھجن
رُوری۔ اکشت تھا چڑھاتا کوئی دیوی تجھ کو
اور لگاتا کوئی ماتھے پہ تھا گھس کر چندن
پیاری پیاری کہیں دلکش تھی عجب سنکھ کی دُھن
کہیں گھڑیال کے گھنٹے کی صدا اٹھتی ٹن، ٹن
دھوپ اور دیپ کی خوشبو تھی کسی مندر میں
اور کسی مٹھ میں تھیں کافور کی شمعیں روشن
الغرض ایک چراغاں کا تھا عالم ہر سُو
روز و شب نور برستا تھا زمیں پر چھن چھن
آہ! سونے کی تھی لنکا کبھی بھارت کی زمیں
بھاگوان ایسے عجب کچھ ترے دیوی تھے جن
سونے چاندی کے شگفتہ تھے ہر اک نخل میں پھول
آبِ زر سے تری رحمت نے تھا سینچا یہ چمن

وہی مٹی ہے یہ پارس کا اثر تھا جس میں
وہی ذرّے ہیں چمکتے تھے جو بن کر کندن
شان اگلی سی مگر آہ! کہاں اب اُن میں
نہ وہ ضوٗ ہے، نہ تجلّی۔ نہ وہ تاثیر کہن
تیل بھی اب نہیں بھارت کے چراغوں کو نصیب
ہائے وہ دن! کہ دیئے گھی کے تھے گھر گھر روشن
تیرے مندر میں نہ بتّی، نہ دیا ہے افسوس!
آہ! دیوی! ترا سونا ہے پڑا سنگھاسن
نظر آتی نہیں اب ہمکو تجلّی تیری
لگ گیا چاند سے رُخ کو ترے کیا آہ! گہن
نہیں ملتے کہیں ہم کو ترے قدموں کے نشاں
جستجو میں تری برسوں سے ہیں پھرتے بَن بَن
کنج گلیوں میں بھی متھرا کی نہ پایا تجھ کو
نظر آئے کہیں گوکل میں نہ تیرے درشن
جذبۂ شوق ترا ہم کو لئے پھرتا ہے
کبھی کاشی۔ کبھی پریاگ۔ کبھی بندرا بن
نہیں ملتی تری اب دل سے نگاہیں افسوس!
دیکھتے، دیکھتے ہی پھر گئی تیری چتون

ہم وہ مشتاقِ زیارت ہیں کہ جوگی بن کر
رہگذر میں ہیں جمائے ہوئے بیٹھے آسن
ایک بار اور دکھا جا ہمیں درشن اپنے
ارپن آہ! ہے دیوی ترے سب تن من دھن
گرچہ برسوں سے نہیں جلوہ فزائی تیری
اَب بھی دھندلا سا دیا ہے ترے مٹھ میں روشن
اَب بھی دیوالی کو جلتے ہیں ترے آہ! چراغ
اَب بھی بھارت میں ہے دیوی تری پوجا کا چلن
اَب بھی مندر میں ترے گھستے ہیں ماتھا اپنا
تیری تقدیس کی ہم جپتے ہیں اَب بھی سمرن
ڈھونڈتے پھرتے ہیں ہر سُو تجھے بھارت باسی
کبھی پورب، کبھی پچّھم، کبھی اتّر، دکھن
ترے مندر کے پجاری ہیں دیا کران پہ
کہ یہ بیسدا اگ لیے پھرتے ہیں تیرے کارن
تیرے چرنوں پہ ہیں یہ سیس نوانے والے
تک رہے راہ تری دے انھیں ماتا درشن
خوش نصیب آہ! ہے وہ قوم! جہاں ضو ہے تری
بھاگ اُس دیس کے جس دیس میں ہیں تری چرن

★

پدمنی

عندلیبوں کو ملی آہ و بکا کی تعلیم ۔ اور پروانوں کی دی سوزِ وفا کی تعلیم
جب ہر اک چیز کو قدرت نے عطا کی تعلیم آئی حصے میں مرے ذوقِ فنا کی تعلیم

نرم و نازک تجھے اعضا دیے جینے کیلئے
دل دیا آگ کے شعلوں پہ پگھلنے کیلئے

رنگ تصویر کے پردے میں جو چمکا تیرا خود بخود لوٹ لیا جلوہ رعنا تیرا
ڈھال کر کالبدِ روح میں پُتلا تیرا یدِ قدرت نے بنایا جو سراپا تیرا

بھر دیا کوٹ کے سوزِ غمِ شوہر دل میں
رکھ دیا چیر کے اک شعلۂ مضطر دل میں

تو وہ بھی شمع کہ پروانہ بنایا تجھ کو
تو وہ لیلیٰ بھی کہ دیوانہ بنایا تجھ کو
رونقِ خلوتِ شاہانہ بنایا تجھ کو
نازشِ ہمتِ مردانہ بنایا تجھ کو

ناز آیا ترے حصّے میں ادا بھی آئی
جانفروشی بھی، محبت بھی، وفا بھی آئی

آئی دُنیا میں جو تو حُسن میں یکتا بن کر
چمنِ دہر میں پھولی گُلِ رعنا بن کر
رہی ماں باپ کی آنکھوں کا جو تارا بن کر
دلِ شوہر میں رہی خالِ سویدا بن کر

حُسنِ خدمت سے شگفتہ دلِ شوہر رکھا
کہ قدم جادۂ طاعت سے نہ باہر رکھا

تیری فطرت میں مروت بھی تھی غمخواری بھی
تیری صورت میں ادا بھی تھی طرحداری بھی
جلوۂ حُسن میں شامل تھی نکوکاری بھی
درد آیا ترے حصّے میں تو خودداری بھی

آگ پر بھی نہ تجھے آہ مچلتے دیکھا
تپشِ حُسن کو پہلو نہ بدلتے دیکھا

تو وہ عصمت کی تھی اک آئینہ سیما تصویر
حُسنِ سیرت سے تھی تیری متجلا تصویر
لاکھ تصویروں سے تھی اک تری زیبا تصویر
تجھ کو قدرت نے بنایا تھا سراپا تصویر

نور ہی نور ترے جلوۂ مستور میں تھا
انجم ناز کا جھرمٹ رُخِ پُر نور میں تھا

لب میں اعجازِ حیا تبسمِ فسوں ساز میں تھی
کہ قیامت کی ادا تیرے سرِ انداز میں تھی
شکل پھرتی جو تری دیدۂ غماز میں تھی
برق بیتاب تری جلوہ گہِ ناز میں تھی

یہ وہ بجلی تھی قیامت کی تڑپ تھی جس میں
شعلۂ نارِ عقوبت کی تڑپ تھی جس میں

یہ وہ بجلی تھی جو تیغِ شرر افشاں ہو کر — کوند اُٹھی قلعہ چیتوڑ میں جولاں ہو کر
یہ وہ بجلی تھی جو سوزِ غمِ حرماں ہو کر — خاک سے لوٹ گئی تیری پشیماں ہو کر

یہ وہ بجلی تھی تجھے جس کے اثر نے پھونکا
رفتہ رفتہ تپشِ سوزِ جگر نے پھونکا

آہ! او عشوہ و انداز و ادا کی دیوی — آہ! او ہند کے ناموسِ وفا کی دیوی
آہ! او پرتوِ انوارِ صفا کی دیوی — او زیارت کدۂ شرم و حیا کی دیوی

تیری تقدیس کا قائل ہے زمانہ ابتک
تیری عفت کا زباں پر ہے فسانہ ابتک

آفریں ہے تری جانبازی و ہمت کیلئے — آفریں ہے تری عفت، تری عصمت کیلئے
کیا مٹائے گا زمانہ تری شہرت کیلئے — کہ چلی آتی ہے اک خلق زیارت کیلئے

نقش ابتک تری عظمت کا ہی بیٹھا دل میں
تو وہ دیوی ہے ترا لگتا ہے میلہ دل میں

پدمنی کی چِتا

سنہ ۱۹۰۵ء

اے اجل! ہے آہ! یہ کِس سوختہ جاں کا مزار
اُٹھ رہا ہے جس سے اَب تک، دودِ آہِ شعلہ بار
اک نگارِ آتشیں رخ کے تنِ نازک سے آہ!
آگ کے شعلے لپٹ کر ہو رہے ہیں ہمکنار
تو ہوئی ٹھنڈی نہ اُف اے آتشِ سوزِ دروں
ابرِ رحمت خاک پر برسوں رہا گو اشکبار
تیرے جھونکوں سے وہ آخر بجھ گئی بادِ نسیم
بے کسی میں آہ کیا دل سوز تھی شمعِ مزار
آرزوؤں کی چِتا ئیں ہیں، تمنّاؤں کی خاک
دل میں کیا رکھا ہے اب اے نالہائے شعلہ بار
زندۂ جاوید ہیں، سوزِ محبت کے قتیل!
پھر نہ ٹھنڈے ہوں گے، بجھ کے تا روزِ شمار

خاک بھی ہوتے نہیں تفسیدگانِ سوزِ عشق
کس کا لے بادِ صبا! اب تو اُڑائے گی غبار
پھینک دیں گے کاٹ کر جڑ تیری اے نخلِ مُراد!
دیکھنا ہے! پھر گرے گی کس پہ برقِ شعلہ بار
کیا جلاتا ہے فلک ہم دل جلوں کو یاد رکھ!
جل مریں گے اک نہ اک دن آگ میں پروانہ وار
ہم نہ ہوں گے ایک دن، اے شعلۂ جاں سوزِ غم!
کچھ دُھواں ہو گا ہوا میں، کچھ شرر اور کچھ غبار
لوحِ ہستی سے مٹایا ہے ہمارا نقش کیا
خود ہی مٹ جائے گا اک دن آسمانِ دوں شعار
گھر بنائیں گے کسی اُجڑی ہوئی بستی میں اب
بھر گیا جی تجھ سے، اے بزمِ نشاطِ روزگار
اور کر لے ہم سے ظالم! چار دن اٹکھیلیاں
خاک اُڑائے گی ہمارے بعد تو بادِ بہار
تو ہے عبرت کی جگہ، دنیا! یہ کیا معلوم تھا
تیری محفل کو سمجھ کر آئے تھے دار القرار
ہیں قفس میں کچھ ہمارے بال و پر باقی ابھی
پھر بھی کرنا ایک دن تکلیفِ برقِ شعلہ بار

رہ گئی اَب کے برس بھی حسرت دیدارِ گُل
کٹ گئے رَنجِ قفس میں آہ ! ایّامِ بہار
اَبرِ تر ! ہم دل جلوں کی خاک سے ہٹ کر برس
تیرِ باراں سے ہیں بڑھ کر تیری چھریاں ناگوار
ہم نہیں گُلچیں ! اغبارِ خاطرِ سرو وسمن
باغِ عالم کی ہوا ہے ہم سے کیوں ناسازگار
اُٹھ گیا جب آہ ! اپنا آشیاں ہی باغباں !
ہم کو کیا آئے خزاں تیرے چمن میں یا بہار
خوابِ ہستی ! کس سے ہم تعبیر تیری پوچھتے
سب کے سب تھے بادۂ غفلت میں سرمستِ خمار
ہم نے پالا تھا دلِ زندہ تجھے کس ناز سے
کیا خبر تھی۔ موت کا ہو جائے گا اک دن شکار
سو رہیں گے کھا کے کچھ اک دن ستمگر یاد رکھ!
اَب سہے جاتے نہیں، تیرے ستم اے روزگار!
تیرے جھونکوں میں ہے پھولوں کی لپٹ بادِ صبا!
کس گُلِ تر کا لئے پھرتی ہے جھولی میں غبار
نور کا پتلا بنایا تھا یہ قدرت نے ایک
پھونک ڈالا تو نے اُس کو آسمانِ برق بار

جل کے لپٹوں میں ترے اے شعلۂ جانسوزِ غم
ہو گئی نذرِ اجل اک لُعبتِ سیمیں عذار

تھا کمیں میں آہ! جس کی دستِ بیدادِ فلک
نقشِ عبرت ہے زمیں پر اب وہ حسنِ پردہ دار

ڈھونڈ رہا ہے آہ دھبّے خون کے کیا بوالہوس
یہ نہ چھوٹیں گے ترے دامن سے تا روزِ شمار

تیرے ویرانے میں اے جستوڑ اک پردہ نشیں
ایک مدّت سے ہے آتش زیرِ پا زیرِ مزار

سوزِ غم سے خاک پر ہے یوں بدلتی کروٹیں
آگ کے شعلے پہ ہو سیماب جیسے بے قرار

آرہی ہے دھیمی دھیمی یہ صدائے جانگداز
میری خاکستر میں اب تک آہ! باقی ہیں شرار

★

روٹھی رانی ۱؎

سنہ ۱۹۰۷ء

اے زمینِ کیلوہ! اے روکشِ عرشِ بریں — خاک میں پنہاں ہے تیری کون یہ ماہِ مبیں
ابرِ رحمت کا ہے سایہ کس کی چھتری پر فلک! — اُف! یہ کس کی خوابگاہِ ناز ہے زیرِ زمیں
عطر افشاں کس کی جوتی کے ہے پھولوں سے مشام — بھینی بھینی ہے ہواؤں میں بوئے زلفِ عنبریں
کس ستی کی یہ زیارتگاہ ہے؟ او آسماں! — اُٹھ رہے ہیں جس سے ابتک شعلہ ہائے آتشیں
مرحبا! اے شمعِ عصمت خانۂ ناموسِ حسن — آفریں! اے نقشۂ سوزِ وفا! صد آفریں
پاک راما نی کی ہے تو وہ مقدس یادگار — تیری روحِ پاک کو صلِّ علیٰ اے نازنیں
تیرے دامن تک نہ پہنچا دستِ دامنگیرِ شوق — تیرے چہرے سے اُٹھا پردہ نہ اے پردہ نشیں
ایسی ضد کا کیا ٹھکانا! اُف ری خودداری تری — مرکے نکلی اے اُما! آخر تری چینِ جبیں

تُو وہ ستونتی تھی اے پروردۂ دامانِ حسن
بن کے ٹوٹا شیشۂ ہستی ترا پیمانِ حسن

ننگِ ناموسِ وفا کی او مبارک یادگار — لاکھ جانیں پاک دیوی تیری عصمت پر نثار
اے قتیلِ عشق! اے جاں دادۂ سوزِ وفا — تیری خاکستر میں ابتک آہ باقی ہیں شرار
ہیں تری تقدیس کے ابتک زباں پر زمزمے — حوریں ابتک کرتی رہتی ہیں ترا طوفِ مزار
اب بھی تیری خاک پر اے لُعبتِ رنگیں ادا! — بھینی بھینی پڑ رہی ہے ابرِ رحمت کی پھوار
تو نے جانی تو یہ ہے پر ہے اُما نازک مزاج — بارِ خاطر ہوں نہ او بادِ صبا پھولوں کے ہار

مُنہ چھپا کر نازنیں پھولوں کی چادر میں ابھی
سو گئی ہے روٹھ کر آغوشِ شوہر میں ابھی

۱؎ کیلوہ میں راجپوتانہ کی مشہور رانی اُما دے بھٹانی جو روٹھی رانی کے نام سے مشہور ہیں ستی ہوئی تھیں؛ اب یہیں انکی سمادھی بنی ہوئی ہے۔

چتّوڑ کی گذشتہ عظمت

خاک میں تیری بسالت کے وہ جوہر ہیں کہاں
سرنگوں ہے اب زمیں پر تیری عظمت کا نشاں

رزم گہہ میں باندھ کر اپنی ہوا دو چار دن
کھول کر کیوں تو نے رکھ دی آہ تیغِ خونفشاں

اب وہ مغفر ہے، نہ بکتر ہے۔ نہ جوشن ہے۔ نہ خود
تیرے مردانِ دلاور کا وہ زیور ہے کہاں

آہ! جس لوہے پہ اے چتّوڑ! تھا تجھ کو غرور
تیرے پاؤں میں پڑا آخر وہ بن کر بیڑیاں

خوں رُلاتی ہے تری نوکِ سناں کو دل کی یاد
بن کے نشتر لیتی ہے اب تک جگر میں چٹکیاں

او کماں کش! یاد کر کے کارناموں کو ترے
روتی ہے رکھ رکھ کے پلّہ تیر کا منہ پر کماں

دل میں گھر کرتی نہیں اب تیرے نیزوں کی خلش
نوک کی لیتی نہیں اب آہ! تیری برچھیاں

بجھ کے ٹھنڈی ہو گئی خوں میں وہ تیغِ آبدار
آگ جس میں آہ! تھی دوزخ کے شعلوں کی نہاں

صفحۂ تاریخ جن قصّوں سے خوں میں ہیں رنگے
تیرے سوفاروں کے لب پر ہیں وہ ابتک خونچکاں

مٹ گیا افسوس تیرے تاجداروں کا غرور
وہ بسالت کے نہ طرّے ہیں نہ بانکی کلغیاں

پھول ہیں شہرت کے تیری آہ! کھلائے ہوئے
تیرے گلشن میں ہے اب چھائی ہوئی ہر سو خزاں

مدّتوں لوہے سے لوہا ہر جگہ بجتا رہا
تھے جہاں تیغ آزما کلّہ بہ کلّہ[۱] دو جواں

کارناموں کو ترے بھولی نہیں وہ سرزمیں
تیری عظمت کی ہے! ابتک آہ لب پر داستاں

اب کہاں ہے آہ! وہ بحرِ تہوّر کا نہنگ[۲]
جس کی ہیبت سے دہلتے تھے زمین و آسماں

خوں اُگلتی ہے لحد میں اب وہ تیغِ شعلہ رنگ
جس نے برسوں تھیں حریفوں پر گرائی بجلیاں

یوں تو تیری خاک میں ہیں دفن موتی سینکڑوں
سچ بتا! ایسا بھی کوئی دُرِ یکتا ہے نہاں

۱ے اکبر اور رانا چتوڑ ۲ے رانا پرتاپ سنگھ

فخر اب کس پر کریں گے آہ! تیرے راجپوت!
تیرے سر سے اُٹھ گیا، افسوس! تاجِ عزّ و شاں
اب ترے قلعے پہ لے چتوڑ لہراتا نہیں
کیا ہوا وہ آہ! تیرا پرچم نصرت نشاں
تیرے ایوانوں میں ہے چھائی ہوئی بے رونقی
اب نہ وہ تختِ مرصّع ہے، نہ تاجِ زر فشاں
اب نہ سطوت ہے نہ شوکت ہے نہ وہ جاہ و حشم
مٹ گئے سب رفتہ رفتہ تیری عظمت کے نشاں
دوست کیا، روتے ہیں دشمن، تیرے حالِ زار پر
تیری حالت ہو گئی یہ کیا؟ نصیبِ دشمناں
لہلہا کر جل گئی تیری تمنّاؤں کی پودھ
آسماں نے تجھ پہ کچھ ایسی گرائیں بجلیاں
تیرے پھولوں میں ہے پھر بھی آہ اک دلکش پھبن
ہم نے مانا چھا گئی تیرے حدیقے پر خزاں

لالہ و گُل کا شگفتہ ہے چمن زیرِ زمیں
پھول ہیں یعنی ترے خونیں کفن زیرِ زمیں

حسرتِ دیدار

وہ شانِ کجکلاہی وہ فخرِ تاجداری — وہ طرّۂ زر افشاں، وہ تاجِ شہریاری
ممتاز! اُف وہ تیری، دیرینہ غمگساری — وہ تیری جاں نوازی، وہ میری جاں نثاری

قصّے کہانیاں ہیں، باتیں وہ اب کہاں ہیں
اے حُسن و عشق تیری، گھاتیں وہ اب کہاں ہیں

بے نام و بے نشاں ہوں، بے تاج و بے نگیں ہوں — پامال ہو چکا جو وہ نقشِ دل نشیں ہوں
اک تنگ و تار حجرے میں آہ اب مکیں ہوں — فریاد آتشیں ہوں، دودِ دلِ حزیں ہوں

مُبتلا ہوں آہ اب میں سوزِ غمِ نہاں کا
رگ رگ میں مشتعل ہے شعلہ مری فغاں کا

رُخصت طلب ہے مجھ سے اب آہ! عمرِ فانی — مہماں ہو کوئی دم کی زنداں میں زندگانی
میں غم نصیب اپنی، کس سے کہوں کہانی — اک تیری آرزو ہے اک حسرتِ جوانی

لیکن محال ہیں یہ دونوں خیال میرے
ارماں بھی مر مٹیں گے بعدِ وصال میرے

جوں کا کشتِ خوں اور دنیا کی بیوفائی — اورنگزیب کی وہ، لے دے بے رحم ادائی
تاز! آہ! اس پر تیرا غمِ جدائی — اُفتاد اک جہاں کی اس عمر میں اُٹھائی

نیرنگیِ جہاں کے نقشے ہزار دیکھے
پہلو میں بیکسی کے لاکھوں مزار دیکھے

ں کب سے منتظر ہوں، اے مرگِ ناگہاں، آ — تکتا ہوں راہ تیری کب سے میں نیم جاں۔ آ
خیر کیوں ہے ظالم! تو رہ گئی کہاں، آ — مبتلا ہوں بیکسی کا میں زیرِ آسماں۔ آ

وہ مہ لقا نہیں ہے، اے چاندنی کھسک جا.
اے جانِ زار رخصت، اے آہ! تا فلک جا.

ے تاج آہ تو ہے خلدِ بریں زمیں پر — اُتری ہے آسماں سے یا حورِ عیں زمیں پر
ک نقشِ حسن ہے یا کرسی نشیں زمیں پر — جلوہ خورش ہے یا اک مہ جبیں زمیں پر

یا سازِ حسن کا ہے تو منجمد ترانہ
فردوسِ ناز کا ہے یا تو نگار خانہ

د لکش ہیں مہوشوں سے نقش و نگار تیرے — وہ دلربا مناظر ہیں یادگار تیرے
شمس و قمر ہیں دونوں آئینہ دار تیرے — آنکھوں میں پھر رہے ہیں لیل و نہار تیرے

وہ رشکِ حور جب تھی محوِ خرام شب کو
اور دوشِ ناز پر تھا گیسو کا دام شب کو

جمنا کی اُف وہ موجوں کا دلفریب منظر — جھونکے ہوا کے بھینے بھینے وہ روح پرور
وہ چاندنی کا آنچل پھیلا ہوا زمیں پر — فوّاروں کا اُچھلنا پھولوں کی نکہت تر

اک چاند کا نکھرنا اک چاند کا سنورنا

ہنس کر شہید مجھ کو تیغِ ادا سے کرنا

وقتِ خرام دلپذیر تیری وہ ترک تازی　　کچھ ناز کچھ کرشمہ کچھ شانِ بے نیازی

وہ شوخیٔ تبسم اور وہ فسوں طرازی　　ہونٹوں میں جاں نوازی آنکھوں میں سحر سازی

بلبل سے چھیڑ کرنا پھولوں سے مسکرانا

نیر سیلی چتونوں سے وہ میرا دل لبھانا

معکوس اپنی کردے رفتار عمرِ رفتہ　　اس نازنیں کو کر لوں پھر پیار عمرِ رفتہ

پھر حسن و عشق کا ہو اظہار عمرِ رفتہ　　شوق و حجاب کی پھر تکرار عمرِ رفتہ

کیا بازگشت تیری ممکن نہیں جوانی

تو مجھ کو کس پہ چھوڑے جاتی ہے عمرِ فانی

پہلو میں میرے آجا اے جانِ جاں کہاں ہو　　تکتا ہوں راہ تیری آنکھوں میں میری جاں ہو

کس خوابِ ناز میں ہو آنکھوں سے کیوں نہاں ہو　　تاریک تیرے غم میں نظروں میں اک جہاں ہے

افسوس مرتے دم تو ارماں نظر کا نکلے

سینے پہ ہاتھ رکھ دے کانٹا جگر کا نکلے

اے کاش تجھ سے ہنس کر میں ہمکلام ہوتا　　روضہ میں ساتھ تیرے محوِ خرام ہوتا

ہوتا کنارِ جمنا اور وقتِ شام ہوتا　　اور چاند آسماں پہ بالائے بام ہوتا

تو مجھ کو پیار کرتی میں تجھ کو پیار کرتا

قدموں پہ جانِ شیریں تیرے نثار کرتا

آ دو گھڑی کو آ جا ہوں گھڑی کا مہماں ۔ پھر مل کے کر لیں ہم تم عیش و طرب کے ساماں
ہر چند بے بقا ہو لطف و نشاطِ دوراں ۔ دنیا کی دو گھڑی کی بھی مغتنم ہیں خوشیاں

آ چاندنی میں دلکش ہے کیا بہارِ جمنا
جامِ وصال پی لیں بھر کر کنارِ جمنا

اے کاش تیری الفت دل چیر کر دکھاتا ۔ پھیلی ہے سو جگہ سے تجھ کو جگر دکھاتا
عالم جو یاس کا ہے پیشِ نظر دکھاتا ۔ نیرنگ آسمانِ بے داد گر دکھاتا

جنت میں روح تیری ہو آہ کیا کہوں میں
تو خوابِ ناز میں ہے، قیدِ جفا میں ہوں میں

گنبد مزار کا ہے تیرے جو یہ سمن بر ۔ حوریں چڑھا رہی ہیں پھولوں کی حسن چادر
اے سروِ باغِ خوبی، اے غیرتِ گلِ تر ۔ تجھ کو پکارتا ہوں، میں تیرا نام لے کر

کانوں میں باز گشت کی آواز آ رہی ہو
تیرا پیامِ الفت مجھ کو سنا رہی ہو

ہے منتظر یہاں پر یہ جانِ زار تیری ۔ آنکھوں میں بس رہی ہے اے گل بہار تیری
میں راہ دیکھتا ہوں لیل و نہار تیری ۔ دل پر ابھی محبت ہے یادگار تیری

آنکھیں وہیں ہیں میری اے جان تو جہاں ہو
تیرے ہی پاس میرا جسم اور میری جاں ہو

مرجھائے ہیں پر، گُل جو تیرے مزار پر ہیں ۔ سوزِ دروں کا مرہم جانِ دل جگر ہیں
بو ان میں ہے وفا کی، یہ میرے چارہ گر ہیں ۔ روحِ مشامِ جاں ہیں دامن کشِ نظر ہیں

یہ ان گلوں کی نازک نازک جو پنکھڑیاں ہیں
مہندی بھری یہ تیری گویا ہتھیلیاں ہیں

ہوتی ہے آہ قالب سے جانِ زار رخصت　　پہلو سے صبر رخصت، دل سے قرار رخصت
اے آہ اے فغاں اے شبہائے تار رخصت　　دنیا سے ہو رہا ہوں بیگانہ وار رخصت

آ میری جان تجھ کو جی بھر کے پیار کر لوں
آ ایک بار تجھ کو پھر ہمکنار کر لوں

میں آہ لوٹتا ہوں سوزِ غمِ نہاں سے　　شعلے نکل رہے ہیں ایک ایک استخواں سے
ہاں قند گھول دے پھر، لعلِ شکرفشاں سے　　ارشاد مسکرا کر ہو مجھ کو کچھ زباں سے

ایک بار دیکھ لے تو پھر پیار کی نظر سے
تیرِ نگاہ گزرے دل چیر کر جگر سے

روضہ پہ چاند تیرے کرنیں گرا رہا ہے　　شفّاف چاندنی کی چادر چڑھا رہا ہے
مکھڑے کا تیرے مجھ کو جلوہ دکھا رہا ہے　　جمنا کی دلفریبی کیا کیا بڑھا رہا ہے

ہے دل کے آئینے میں عکسِ جمال تیرا
بیتاب کر رہا ہے شوقِ وصال تیرا

جس طرح آہ تیرے سنسان مقبرے پر　　دھندلی سی شمع روشن ہو ایک اک گل تر
پڑتا ہے سنگِ مرمر پہ جیسے کا عکس باہر　　خوں رونے والے میرے یوں ہیں بدیدۂ تر

ہیں آہ اس اداسی پہ ٹکٹکی لگاتے
تیری لحد کو بن کر چادر جو ہیں چھپاتے

زیرِ زمیں جو تجھ کو پنہاں کئے ہوئے ہے — جو تیرے غم میں مجھ کو نالاں کئے ہوئے ہے
ہستی کا چاک میرے داماں کئے ہوئے ہے — رختِ سفر کا میری ساماں کئے ہوئے ہے

چھائی ہوئی ہے دل پر تیرا خیال بن کر
اندوہ و یاس بن کر رنج و ملال بن کر

فرقت نصیب ہوں میں اے کاش موت آئے — بندِ غم و الم سے آ کر مجھے چھڑائے
میں مر رہا ہوں مجھ کو تجھ سے اجل ملائے — نظروں سے چھپنے والے جلوہ ترا دکھائے

دُنیا میں غیر ممکن اب ہے وصال تیرا
خُلدِ بریں میں دیکھوں مر کر جمال تیرا

اشجار جھومتے ہوں، شاخیں لچک رہی ہوں — خوشبو ہو بھینی بھینی کلیاں مہک رہی ہوں
شبنم کی ننھی ننھی بوندیں ٹپک رہی ہوں — سبزے پہ موتیوں کا پانی چھڑک رہی ہوں

مصروف آہ ہم تم گلگشتِ باغ میں ہوں
دامن میں پھول چُنتے کُنجِ فراغ میں ہوں

سرشارِ عشق میں ہوں تو مست جامِ اُلفت — دیتی ہوں مل کے نظریں دل کا پیامِ اُلفت
ہو آہ! لطفِ صحبت شُربِ مدامِ اُلفت — دل ہو اسیرِ گیسو، گیسو ہو دامِ اُلفت

غماز دوسرا ہو کوئی نہ انجمن میں
محوِ خرام ہم تم دونوں ہوں اک چمن میں

★

بیر بہوٹی

آہ! او ننھے سے کیڑے نازشِ صحرا ہی تو
دشت میں اک سرخ چھوٹا سا گلِ رعنا ہی تو

صفحۂ ہستی پہ اک نقشِ تحیّر زا ہی تو
شعلہ زارِ حسن کی چھوٹی سی اک دنیا ہی تو

برقِ عالم سوز کی ننھی سی ہیکل ہے کوئی
آتشِ یاقوت کی چھوٹی سی منقل ہے کوئی

کچھ عجب عالم ہے تیرے حسن کے انداز کا
سرخ ڈورا ہے کسی چشمِ فسوں پرداز کا

قطرۂ مضطر ہے خونِ کشتگانِ ناز کا
قلبِ خوں گشتہ ہے مژگاں پہ کسی جانباز کا

یا شفق کا کوئی ٹکڑا ہے زمیں پر جلوہ گر
جامِ زرّیں میں ہے صہبائے احمر جلوہ گر

گل بداماں ہی شفق میں شعلۂ تنویرِ حسن
خونِ عاشق یا زمیں پر ہی گریباں گیرِ حسن

یا عقیقِ سرخ کی چھوٹی سی ہی تعمیرِ حسن
نقشِ نیرنگِ فسوں ہی یا کوئی تصویرِ حسن

جلوۂ گل ہے فضائے وادیِ پرخار میں
سرخ تکمہ ہے قبائے سبزۂ کہسار میں

محضرِ خونِ شہیداں ہی ترا دامانِ سرخ
یا ہے خونِ کشتگانِ عشق عنوانِ سرخ

یا کسی کے ناوکِ پرخوں کا ہی پیکانِ سرخ
اشکِ گلگوں یا ہی زیبِ پنجۂ مژگانِ سرخ

رنگ آمیزی ہے قدرت کی تری تصویر میں
اک دل آویزی ہے قدرت کی تری تصویر میں

حسن میں تیرے ہے اے ناطورہ ناز آفریں　　فندق پائے حسیناں کی ادائے دلنشیں
جلوہ رخ سے ترے گلگوں ہے دامانِ زمیں　　بزم صحرا میں ہے تو جامِ شرابِ آتشیں

بادہ گلگوں ترے چھوٹے سے پیمانے میں ہے
عالمِ نیرنگِ افسوں تیرے میخانے میں ہے

وادیٔ پُرخار میں اک مجمرِ سوزاں ہے تو　　دامنِ کہسار میں اک شعلۂ عریاں ہے تو
کشتِ زارِ حسن میں اک دانۂ مرجاں ہے تو　　یا کسی گلگوں قبا کا گوشۂ داماں ہے تو

ناز ہے صحرا کو تیری شوخیٔ رفتار پر
دوڑتا ہے خوں کا قطرہ سبزۂ کہسار پر

گل بداماں ہے کوئی دوشیزۂ کمسن مگر　　ہلکی پھلکی سُرخ پھولوں کی ہے چادر دوش پر
وقفِ رعنائی ہے یا کوئی عروسِ سیمبر　　روئے زیبا پر ہے غازہ سرخ جوڑا زیب بر۔

لوٹتا ہے کوئی بسمل سبزۂ بیگانہ پر
یا مئے گلگوں کا قطرہ ہے لبِ پیمانہ پر

جلوۂ گل ہے رنگیں روئے زیبائے بہار　　نازنیں ہے یا کوئی محوِ تماشائے بہار
یا مئے گلرنگ سے گلگوں ہے مینائے بہار　　یا ہے آغشتہ بخوں داغِ سویدائے بہار

سبزہ کہسار نے یا لعل اُگلا ہے کوئی
چن رہی ہے پھول یا دوشیزۂ رعنا کوئی

ماریا سمین

سنہ ۱۹۱۰ء

آ کلیجے سے لگا لوں تجھ کو ماریا سمیں
ہیں کسی گیسو کے خم تجھ میں کسی ابرو کی چیں
یہ قیامت کی شکن، اور یہ بلا کے پیچ و خم
آہ! کس کافر ادا کی تو ہے زُلفِ عنبریں
ہے ترے حُسن سیہ سے دل کو اک دلبستگی
قیس میں ہوں، آہ! تو ہے لیلیٰ محمل نشیں
آہ ظالم اُف رے تری گرمیٔ جاں سوزِ حُسن
دل کو پھونکے دیتی ہے تیری نگاہِ آتشیں
مجھ کو وہ لذّت ہے ملتی آہ! تیرے زہر میں
میں سمجھتا ہوں کہ ہے تیری زباں میں انگبیں
شب کو بانی سے دُلہن بن کر یوں ہے تو
بال کھولے گھر سے نکلے جیسے کوئی مہ جبیں
گرہیوں میں جیسے صندل ہے حسینوں کو پسند
ڈھونڈتا پھرتا ہے یوں ہی تو بھی شاخ صندلیں
پھن اُٹھا کر آہ! وہ مستی میں لہرانا ترا
جیسے ہو جوبن کی متوالی کوئی نازآفریں

سبزہ زاروں میں ہے شب کو اک عروسِ بے نقاب
دن کو پانی میں ہے تو اک شاہدِ پردہ نشیں
او فسوں گر! آہ! ہوں میں کشتۂ زلفِ دراز
مجھ کو ڈس لے تیرے ڈسنے کا مجھے شکوہ نہیں
تجھ سے میرے گیسوؤں والے کی ملتی ہے ادا
میری نظروں میں تو ہے تو سو حسینوں کا حسیں
او ستمگر! آہ! کب کالا سمجھتا ہوں تجھے
میں تو اپنا گیسوؤں والا سمجھتا ہوں تجھے

طولِ شبہائے جدائی تو ہے، یا زلفِ دراز
تجھ کو ظالم! اپنے قد کی ہر درازی پر جو ناز
حسن میں تیرے ہے مضمر اک ادائے عشق بھی
تو وہ نیرنگِ فسوں ہے آہ! او عشوہ طراز
مہ وشوں کی شامِ خلوت میں ہے تو زلفِ سیاہ
اور شبِ غم میں ہے وہ دِنا لہائے جانگداز
محوِ حیرت کیوں نہ ہو جاؤں تری پھنکار میں
بین کے نغموں کی ہے ظالم! صدائے دلنواز
پاؤں میں پڑتا۔ جو میرے بن کے تو زنجیرِ عشق
اپنی زلفوں پر نہ ہوتا گیسوؤں والوں کو ناز
جب نظر آئے کسی گیسو میں تیرے پیچ و خم
مجھ پہ ظالم کھل گیا دل کی گرفتاری کا راز

★

بُلبُل و پروانہ

سنہ ۱۹۱۰ء

گرا رہا ہے ترا شوق شمع پر تجھ کو — مجھے یہ غم ہے۔ نہ پہونچے کہیں ضرر تجھ کو
فروغِ شعلہ کہاں اور فروغِ حسن کہاں — ہزار حیف! کہ اتنی نہیں خبر تجھ کو
تڑپ تڑپ کے جو بے اختیار گرتا ہے — نہیں ہے آگ کے شعلہ سے آہ! ڈر تجھ کو
یہ ننھے پر و بال۔ یہ ستم کی تپش! — ملا ہے آہ قیامت کا کیا جگر تجھ کو
قریب شمع کے آ کر جو تھرتھراتا ہے — نہیں ہے جان سے جانے کا غم مگر تجھ کو
ملے گی خاک بھی ڈھونڈھے نہ تیری محفل میں — صبا اڑا کے بکھیرے گی دمِ سحر تجھ کو
سمجھ نہ شمع کو دل سوز عافیت دشمن — جلا کے آہ رہے گی یہ مشتِ پر تجھ کو

نہیں ہے تو ابھی سوز و گداز کے قابل
نہیں ہے عشق کی عرضِ نیاز کے قابل

تپش ہے بزم میں فانوس پر نہیں اچھی — کہ آگ لاگ کی او بے خبر نہیں اچھی

گرمی ہو آتشِ محبت کی شمعِ محفل سے ۔۔۔ لگا دیں اُڑا دے تفتہ جگر نہیں اچھی

تڑپ کے نہ دیوانہ وار شمع پہ گر ۔۔۔ تپش یہ شوق کی او وحشتِ پر نہیں اچھی

یہ جانگدازیِ سوزِ وفا سرِ محفل ۔۔۔ کہیں نہ ہو تو ترے جی کا ضرر نہیں اچھی

لڑا نہ شمع سے آنکھیں کہ ہو عدو تیری ۔۔۔ تری نگاہِ محبت ۔۔۔ اثر نہیں اچھی

یہ ننھے ننھے پروں کی تڑپ یہ بیتابی ۔۔۔ حریفِ شوخیِ برقِ نظر نہیں اچھی

یہ پر سمیٹ کے فانوس پر ترا گرنا ۔۔۔ یہ بے خودی اے شوریدہ سر نہیں اچھی

چمن میں چل کہ دکھاؤں بہارِ شاہدِ گل
نظر فریب ہیں نقش و نگارِ شاہدِ گل

میں بوالہوس نہیں سمجھا ہے تو نے کیا مجھ کو ۔۔۔ پسند شاہدِ گل کی نہیں ادا مجھ کو

جنوں نہیں کہ ہو سودائے گل چمن میں مجھے ۔۔۔ سمجھ نہ اپنی طرح آہ بے وفا مجھ کو

فراقِ گل میں، میں منت کشِ فغاں ہوں دریغ ۔۔۔ یہ داغِ سوزِ جدائی نہ دے خدا مجھ کو

دلِ گداختہ لے کر ازل سے آیا ہوں ۔۔۔ بنایا بزم میں ہے سوز آشنا مجھ کو

ڈروں جو آگ کے شعلے سے بوالہوس میں نہیں ۔۔۔ فنائے سوزِ محبت میں ہے بقا مجھ کو

جلے وہ بزم میں جب جا پڑا دریغ جلوں ۔۔۔ بعید عشق سے ہے۔ ہو غمِ فنا مجھ کو

تری نگاہ میں جانسوز ہے جو ای بلبل ۔۔۔ وہ آہ! آگ کا شعلہ ہے جانفزا مجھ کو

کھلا ہے تجھ پہ ابھی آہ اسرارِ عشق کہاں
تو بوالہوس ہے تجھے امتیازِ عشق کہاں

★

مُرغانِ چمن

تضمین

جو تجھ پہ بیتے تو تُو جانے مرغِ بستانی　　قفس میں کیسے تڑپتے ہیں آہ زندانی
تپش فزا ہے قیامت کا دردِ پنہانی　　تو اے کبوترِ بامِ حرم چہ میدانی
تپیدنِ دلِ مُرغانِ رشتہ بر پا را

اسیرِ دام نہ ہو کوئی مُرغِ بستانی　　خدا کسی کو دے حسرتِ پرافشانی
سمجھتا ہے مرے نالوں کو زمزمہ خوانی　　تو اے کبوترِ بامِ حرم چہ میدانی
تپیدنِ دلِ مرغانِ رشتہ بر پا را

ہنسی نہ مجھ سے کر او محوِ زمزمہ خوانی　　ہو گُن گرے یہ مُبارک تجھے خوش الحانی
خدا وہ دن نہ دکھائے کہ ہو تُو زندانی　　تو اے کبوترِ بامِ حرم چہ میدانی
تپیدنِ دلِ مرغانِ رشتہ بر پا را

دسمبر سنہ ۱۹۰۴ء

مُرغ وصیّاد

اے نسیمِ صبح ! اے گہوارہ جنبانِ چمن
ہو اگر تیرا گزر سوئے جوانانِ وطن
اُن سے کہنا میری جانب سے بصد اظہارِ شوق
ساتھ کے کھیلے ہوئے ہیں وہ جو یارانِ چمن
اک گرفتارِ قفس نے ہے کہا تم کو سلام
اور پوچھا ہے مزاجِ سرو و ریحانِ چمن
پھر یہ دینا میری جانب سے نوید جانفزا
سیرِ گلشن ہو مُبارک تم کو مرغانِ چمن
خاک اُڑا کر پہلے چپ ہو جائیو بادِ صبا
حال پوچھیں کچھ جو میرا ہمصفیرانِ چمن
پھر یہ کہنا ۔ کھینچکر، سینے سے آہ جانگداز
ہے قفس میں قید وہ مُرغِ خوش الحانِ چمن

اب نہ سیرِ لالہ و گل ہے نہ وہ گلگشتِ باغ
حسرتِ پرواز ہے اب اور ارمانِ وطن
اب نہ وہ پھولوں کا تختہ ہے نہ کنجِ خوشگوار
وہ نہالانِ چمن ہیں اب نہ میدانِ چمن
تنکے پڑا چنتا ہے کنجِ قفس میں اب غریب
آشیاں کیسا! کہاں کی فکرِ سامانِ وطن
توڑتا ہے خانۂ صیاد دیں دم ہائے ہائے
ہو رہا ہے بلبلِ تصویر ماتم ہائے ہائے
چھیڑتی ہے کیا قفس میں ہم کو اے موجِ نسیم
اس چمن میں ہم بھی تھے پروردۂ نازِ قدیم
تھی ہماری بھی کبھی سر سبز کشتِ آرزو
ہم پہ بھی اے ابرِ رحمت! تھا ترا لطفِ عمیم
لوٹتے تھے آہ دن کو سبزہ زاروں کے مزے
شب کو رہتے تھے تر و شاداب کنجوں میں مقیم
یا چہکتے پھرتے تھے باغوں میں ہم اے ہمصفیر
یا قفس میں چیختے ہیں آہ بے یار و ندیم
ہم کہاں کے خوشنوا تھے، ہم کہاں کے بذلہ سنج
ہم پہ اے صیاد ٹوٹا جو ترا قہرِ عظیم

ہمصفیرانِ چمن کے کیا تغافل کا گلہ
جب قفس میں پھنس گئے کیسی رہ و رسمِ قدیم

ذبح اے صیّاد کر بھی چک کہ جھگڑا پاک ہو
ہم سے اب دیکھا نہیں جاتا ہے یہ حالِ سقیم

پھونک دے اے سوزِ غمہائے نہانی پھونک دے
بن کے او ظالم! بھڑک اُٹھ! شعلۂ نارِ جحیم

ہم ہیں پابندِ قفس، کیسا چمن۔ کیسی بہار
کس کو مژدہ دینے آئی ہے تو اے بادِ نسیم

دیدِ گل سے واسطہ کیا ہم اسیروں کے لئے
سیرِ گلشن ہو مبارک ہمصفیروں کے لئے

لالہ و گل کی تھی قسمت میں فضا دو چار دن
ہم نے کھالی سبزہ زاروں کی ہوا دو چار دن

پھر سُنے گا ہائے کس کے زمزمے صیّاد تو
ہم قفس میں اور ہیں نغمہ سرا دو چار دن

حسرتِ پرواز بھی جاتی رہے گی اے اَجل!
ہم سے اُڑ لیں اور مرغانِ ہوا دو چار دن

پھر کہاں صیّاد ہم۔ اور پھر کہاں کنجِ قفس
آب و دانہ ہے مقدّر میں ترا دو چار دن

گھُٹ کے اس زنداں میں جائیگا کبھی دم بھی نکل
مانگتے ہیں اے اجل! تیری دعا دو چار دن
یاد اے صیّاد! ہم کو بھی کرے گا تو کبھی
اور تڑپا ہے قفس میں بیوفا دو چار دن
دیکھ کر خالی قفس کو جی بھر آئے گا ترا
بیٹھ کر روئے گا سر۔ بعدِ فنا دو چار دن
کر رہے ہیں جس طرح ہم نالہائے دردناک
تو رہے گا یونہی مصروفِ بکا دو چار دن
یاد جب صیّاد آئیں گے ہمارے زمزمے
گھر میں تنہا تیرا جی گھبرائیگا دو چار دن
دستِ حسرت مل کے اے صیّاد پچھتائے گا تو
ایسا لائے گا کہاں سے آہ مرغِ خوش گلو
جب بنائے گا ہمارا آہ! چھوٹا سا مزار
چھپکے چھپکے تو ہمارے غم میں ہوگا اشکبار
یاد رہ رہ کر جفائیں اپنی آئیں گی تجھے
اور ہماری بے کسی پر روئے گا تو زار زار
لے کے خالی گھر کو جب گلشن سے لوٹے گا قفس
پیچھے پیچھے خاک اڑاتی آئے گی بادِ بہار

سُن کے اے صبا! تیرے نالہائے جاں گداز
راستے میں لوگ پوچھیں گے کہ کیوں ہے سوگوار
تُو کہے گا مرگئی وہ بلبلِ رنگیں نوا
وصلِ گُل کے واسطے تھی جو قفس میں بیقرار
گُل کھلیں گے۔ سبزۂ نورَس اُگے گا قبر پر
ہم نہ ہوں گے اور آئے گی گلستاں میں بہار
سوتے ہوں گے تیرے گہوارے میں اے کُنجِ لحد
خوابِ راحت میں مخل ہو گی نہ گلبانگِ ہزار
اپنی مٹی ہے کہاں گی، کیا خبر یادِ صبا!
ہو پریشاں دیکھئے کس کس جگہ مُشتِ غبار
وہ بھی آزادی کے دن تھے ہائے کتنے جانفزا
تیرے بندھن سے تھے جب اے قیدِ ہستی رستگار
لوٹتے تھے اپنے گلشن میں بہاروں کے مزے
سبزہ زاروں کی تھیں سیریں جوئباروں کے مزے
ہم سرودِ طائرانِ قدس تھے ہم بھی صبا
قیدِ ہستی کی کشاکش میں نہ تھے یوں مبتلا
بولتے تھے اپنی دُھن میں پیاری پیاری بولیاں
ہائے وہ دن! شاخِ طوبیٰ پر تھے جب نغمہ سرا

لوٹتے تھے ہم بہاریں گلشنِ فردوس کی
تھی عجب دل کش ہمارے سبزہ زاروں کی فضا
کھل رہے تھے چار سو پھولوں کے کنج خوشگوار
تھیں رواں شیر و عسل کی اُن میں نہریں جابجا
اپنے پھولوں پر تو اِتراتی ہے کیا اے عندلیب!
تو نے دیکھی ہی نہیں ہے شاہدِ گُل کی ادا
کر کے تو ہم کو اسیرِ حلقۂ دامِ فریب
کھینچ کر کس وادیٔ پرُ خار میں لائی قضا
ہم نہ پھنستے کس طرح صیاد تیرے جال میں
آب و دانہ تھا مقدر میں ترے گھر کا لکھا
ہم قفس میں کب تلک بے بال و پر تڑپا کریں۔
ٹوٹ بھی جا! اے طلسمِ قیدِ ہستی ٹوٹ جا!
تیرے مرغِ دست پرور، ہم ہیں صیادِ ازل
خواہ ہم کو ذبح کر۔ خواہ ہمکو کر رہا

مَن نہ آں مرغم کہ نالم از جفائے تیغ تو
ذبح کن صیاد۔ قربانِ ادائے تیغ تو

دسمبر ۱۹۰۴ء

سودائے عشق

۱۹۱۰ء

مئے سوزِ عاشقی کا جو نصیب جام ہوتا میں سحر کو بھی نہ بجھتا وہ چراغِ شام ہوتا
جو جگر کا داغ بنتا وہ مہِ تمام ہوتا دل و جاں کو پھونک دیتا وہ تپِ دوام ہوتا
نہ میں بجھنے والا شعلہ نہ شرارِ خام ہوتا

شبِ غم میں بنکے ٹپکوں کسی چشمِ تر سے آنسو میں بنوں سحر کا تارا نہیں مجھکو یہ گوارا
شبِ تار میں چمکتا نہ ہوا نہ بنکے جگنو جو فروغِ عشق دیتا مجھے چرخِ فتنہ آرا
میں جگر پہ داغ کھا کھا کے مہِ تمام ہوتا

نہ کسی کی نوکِ مژگاں کی خلش جگر میں ہوتی نہ کمندِ شوق حلقے کسی زلفِ عنبریں کے
شبِ غم میں تیرہ دنیا نہ مری نظر میں ہوتی نہ زمانہ بھر کے جھگڑے نہ بکھیڑے مذہب و دیں کے
مجھے تجھ سے کام ہوتا تجھے مجھ سے کام ہوتا

نہ چمن میں گل کا شیدا نہ میں عندلیب ہوتا نہ فلک سے برق گرتی مری شاخِ آشیاں پر
ترا داغِ سوزِ الفت جو مجھے نصیب ہوتا میں شرار بنکے اڑتا شبِ غم میں آسماں پر
نہ ہلالِ عید بنتا، نہ مہِ صیام ہوتا

★

فلکِ اخضری ہے جام مرا

یہ نظم پیرزادہ بشیر احمد صاحب کے مضمون "میرا ساغر آسماں ہے" کا منظوم ترجمہ ہے۔ اصل مضمون مخزن ماہ ستمبر سنہ ۱۹۰۴ء میں چھپا تھا، اس پُر مغز نثر کا یہ دل کش اور رنگین ترجمہ باعث دلچسپی ہوگا۔

لگاؤں گا نہ تجھے مُنہ میں او مئے انگور
کہ تو ہے مایۂ فسق و فجور و عجب و غرور

میں وہ نہیں کہ ترا جام پی کے ہوں بدمست
وہ بادہ کش ہوں کہ کہتے ہیں مجھ کو مستِ الست

مری شراب ہے تجھ سے کہیں مصفّا تر
لطیف و خوش مزہ و خوشگوار زیبا تر

تری شراب سے پرہیزگار ہوں ساقی
کہ مستِ بادۂ جوشِ بہار ہوں ساقی

وہ رند ہوں کہ خُمِ آسماں ہے جام مرا
بلند صوفی و واعظ سے ہے مقام مرا

ایاغ ساقیٔ گردوں جو میرا بھرتا ہے
دماغ عالمِ بالا کی سیر کرتا ہے

ہوں مستِ نشۂ جامِ مظاہرِ قدرت ! — غضب کے ہوش رُبا ہیں مناظرِ قدرت
پہاڑیوں کی فضائیں ہیں خوشگوار عجیب — رواں ہیں کوہ کے دامن میں آبشار عجیب
مقام یہ نہیں دیکھے ہیں نیشکر ! تو نے — کیا نہیں ابھی کہسار کا سفر تو نے
یہ دلفریب مقامات چل دکھا لاؤں — پہاڑیوں کی ہوائے خنک کھلا لاؤں
پئیں گے مل کے مئے آفتاب چل تو سہی — عجب بہار ہے گلگشت کو نکل تو سہی
نثار میں ترے اے کردگارِ قدرت کے — کہ چپے چپے پہ جلوے ہیں تیری صنعت کے
ازل میں صانعِ ارض و سما تھی ذات تری — دلیل ہے تری ہستی کی کائنات تری
کہاں تھا میں مری قسمت مجھے کہاں لائی — عدم سے جانبِ ہستی کشاں کشاں لائی
گراں ہے ہجرِ ترا جانِ ناشکیبا کو — تلاش ہے اسی جلوے کی چشمِ بینا کو
کرے نہ روح مری کیوں تری طرف پرواز — کہ زیست ہے تری قربت میں تفرقہ انداز
میں کاش عمرِ رواں! تجھ کو چھوڑ کر بھاگوں — طلسم خانۂ ہستی کو توڑ کر بھاگوں
مکیں جو روح کا خالی مکان دیکھتے ہیں — تو سر اُٹھا کے سوئے آسمان دیکھتے ہیں
کوئی عقاب کی چنگل میں جیسے ہو کودک — نگاہِ یاس سے ماں دیکھتی ہو سوئے فلک

نجات دے مجھے ان شورشوں سے تو یارب
کہ مجھ کو ہے ترے جلوے کی جستجو یارب

جنوری ۱۹۰۵ء

گلِ خزاں دیدہ

خوشا! وہ دن کہ میں آرائشِ صحنِ گلستاں تھا
خوشا! وہ دن کہ میری فرق پہ تاجِ زرافشاں تھا
بہارِ جلوۂ حسنِ ازل تھا پردہ گل میں
وہ جگنو تھا کہ کاشانہ فروزِ صحنِ بستاں تھا
نگاہیں بلبل و گلچیں کی بیڈھب مجھ پہ پڑتی تھیں
بہارِ حسن تھی۔ جوشِ شباب فتنہ ساماں تھا!
صبا گہوارہ جنباں۔ قصہ گو بانگِ عنادل تھی
مرا چھوٹا سا بستر خوابِ آسائش کا ساماں تھا
فضائے لالہ و ریحاں و گل پریوں کی محفل تھی
نسیم صبح کا جھونکا جو تھا۔ تختِ سلیماں تھا
نسیمِ خلد اِتراتی ہوئی پھرتی تھی گلشن میں
ہر اک گل اک طلسمِ جلوۂ نیرنگِ امکاں تھا
ترنم ریز تھا شاخوں پہ میری طائرِ سدرہ
چمن کا میرے دست آموز اک مرغِ غزلخواں تھا
جواب خطۂ کشمیر میرا کنجِ دل کش تھا
بہارِ سبزہ و گل تھی۔ ہجوم سرو و ریحاں تھا
ادھر سنبل کو تھا ناز اپنے گیسوئے مسلسل پر
ادھر نرگس کو گلشن میں غرورِ چشمِ فتاں تھا

کلی دوشیزۂ ناکتخدا اک اک تھی گلشن میں
شگوفہ جو چمن میں تھا۔ عروسِ گُل بداماں تھا

موافق مجھ سے تھی آبِ ہوائے دہر اے ہمدم!
صبا تھی عطر آگیں۔ ابرِ رحمت گوہر افشاں تھا

نہ تھا یوں منتشر، شیرازۂ جمعیت اجزا
برنگِ بُو نہ جھونکوں میں ہوا کے یوں پریشاں تھا

ارم خانہ تھا مجھ کو آہ! کنجِ دل نشیں میرا
زمیں پر یوں نہ سیلی خوردۂ ریگِ بیاباں تھا

نہ یوں اُلجھے ہوئے تھے خارِ صحرا میرے دامن سے
نہ یوں ڈوبا ہوا خوں میں ہر اک تارِ گریباں تھا

گلِ خنداں تھا میں بھی باغِ عالم کے مُرقع میں
نہ میں حسرت کا پُتلا تھا، نہ میں تصویرِ حرماں تھا

نہ یوں نالہ کشِ بے تابیٔ دل تھا بیاباں میں
نہ یوں شکوہ طرازِ گردشِ آشوبِ دوراں تھا

کہاں لائی اُڑا کر آہ! تُو بادِ خزاں مجھ کو
کہیں خارِ مُغیلاں تھے۔ کہیں غولِ بیاباں تھا

یہ افسانہ ہے کل کا۔ کیا کہوں اے ہمنشیں تجھ سے
چمن میرا وطن تھا۔ میرا کاشانہ گلستاں تھا

بہارِ عالمِ نیرنگ تھی ہر نکھڑی میری
نہ تھا معلوم رنگِ انقلابِ دہر پنہاں تھا
حقیقت کھل گئی دورِ خزاں آیا جو گلشن میں
نہ تھا غازہ رُخِ گل رنگ پر خونِ شہیداں تھا
ضیائے ہستیٔ موہوم ۔ موجِ شعلہ خس تھی
شبابِ فتنہ زا دو چار دن کا آہ مہماں تھا
مرا حسنِ تعیّش سوز تھا رقصِ شرر گویا
چمن میں میں گُل شمعِ سرِ گورِ غریباں تھا
طلسمِ بے ثباتِ دہر تھا رنگِ بقا میرا
بساطِ گوشۂ مرقد مری ہستی کا میداں تھا

تحیّر زا تھا منظر آہ اک اک باغِ ہستی کا
وجودِ عالمِ امکاں ۔ مگر خوابِ پریشاں تھا

اکتوبر ۱۹۰۹ء

موسمِ گرما کا آخری گلاب[۱]

یہ آخری گلاب کا ہے یادگار پھول
اور شاخ پر کھلا ہوا تنہا چمن میں ہے
بیکس، غریب، ہجر میں ہے بیقرار پھول
دھندلا سا اک چراغِ سحر انجمن میں ہے

ہے کوئی غمگسار نہ ہمدم کوئی قریب
بچپن کے آشنا ہیں نہ وہ خانداں کے پھول
رخصت ہوئے چمن سے رفیقانِ ہمنشیں
بکھرے پڑے ہیں خاک پہ اب گلستاں کے پھول

ننھی سی کوئی آہ کلی بھی نہیں قریب
ڈالے جو عکس پھول سے رُخ کا غریب پر
کچھ دردِ دل کا حال کہے جس سے غم نصیب
جو اس کی آہِ سرد کو سُن ہو نوحہ گر

---

۱ ماخوذ از ٹامس مور

کھلانے دونگا تجھکو میں تہانہ شاخ پر
ڈر ہے نہ کنج میں تری تری مٹّی خراب ہو

احباب سو رہے ہیں جہاں میرے بیخبر
جا تو بھی انکے ساتھ ہم آغوشِ خواب ہو

کب تک زباں پہ رفتۂ احباب کا گلہ
اب تیری پتیاں میں بچھاتا ہوں خاک پر

ہیں محوِ خواب مر کے جہاں تیرے آشنا
تجھ کو بھی اُن کے ساتھ سلاتا ہوں خاک پر

رختِ سفر اُٹھاؤنگا جی کا یہاں سے جلد
احباب مجھ سے جب مرے ہو جائیں گے جُدا

چھوٹوں گا مر کے پھر کے دریہاں ہی جلد
تنہا کوئی جہاں میں جیا بھی تو کیا جیا

کیا اے کے کوئی آہ کرے عمرِ جاوداں
سلکِ بقا میں جب نہ رہے دُرِّ آبدار

یارانِ رفتہ کا ہے زیارت کدہ جہاں
میری بھی بے کسی کا بنے گا وہیں مزار

جب اُٹھ گئے جہان سے یارانِ زندہ دل
جی کر غمِ فراق کے صدمے سہے گا کون

گڑیاں تری اُٹھانے کو لے دردِ جانگسل
اس غمکدہ میں آہ اکیلا رہے گا کون

☆

بچّہ اور ہلالِ عید

۱۹۰۸ء

رنگیں ادا ہیں دونو۔ رنگیں جمال دونو   نورس ثمر ہیں دونو اور نونہال دونو

بچے ابھی اگرچہ ہیں خوردسال دونو   بڑھ کر کرینگے اک دن کسبِ کمال دونو

آ! مل کے ساتھ کھیلیں ہم تم ہلال دونو

تو بڑھ کے بدر ہوگا جس طرح آسماں پر   ڈالے گا اپنی کرنیں اس تیرہ خاکداں پر

میرا شباب یونہیں آئے گا عنفواں پر   شفقت کا نور میں بھی برساؤنگا جہاں پر

آ! مل کے ساتھ کھیلیں ہم تم ہلال دونو

جس طرح تیرے دل کو اللہ داغ دیگا   سوزِ جگر کا یونہیں مجھ کو چراغ دیگا

تیری طرح مجھے بھی روشن دماغ دیگا   مجھ کو مئے محبت تجھ کو ایاغ دیگا

آ! مل کے ساتھ کھیلیں ہم تم ہلال دونو

وہ دن بھی ہونگے ہم تم آفاق گرد ہونگے   ہاموں نورد ہونگے۔ گردوں نورد ہونگے

اوجِ کمالِ ہستی میں دونو فرد ہونگے   پھر دیکھے جوانی کے آہ سرد ہونگے

آ! مل کے ساتھ کھیلیں ہم تم ہلال دونو

تُو بن کے ماہِ کامل یعنی ہلال ہوگا — گردوں پہ رفتہ رفتہ تجھ کو زوال ہوگا
میرے قدِ خمیدہ کا بھی یہیں حال ہوگا — پیری میں لہو بازی کا کب خیال ہوگا

آ! مل کے ساتھ کھیلیں ہم تم ہلال دونو

چھوٹی سی کیا ہی دلکش ہے یہ کمان تیری — مجھ کو پسند دل سے ہے آن بان تیری
پر یہ نہیں رہے گی بچپن کی شان تیری — دو چار دن کی طفلی ہے میہمان تیری

آ! مل کے ساتھ کھیلیں ہم تم ہلال دونو

کشتی اُتار لا ہاں چھوٹی سی آسماں سے — ایسا کہاں کا اُونچا ہے تُو مرے مکاں سے
ہوں تیر چھوٹنے کو مضطر تری کماں سے — تیرے لئے تڑپتا ہوں میں غمِ نہاں سے

آ! مل کے ساتھ کھیلیں ہم تم ہلال دونو

ننھے سے او کھلاڑی او آسماں کے ساکن — آ! کھیل لیں کہ دونوں بچے ابھی ہیں کمسن
دو چار دن کے مہماں ہیں کھیل کود کے دن — پیری میں ولولے ہیں طفلی کے غیر ممکن

آ! مل کے ساتھ کھیلیں ہم تم ہلال دونو

یا رب نہ چشمِ بد سے پہنچے گزند تجھ کو — ہو شام کی سیاہی دودِ سپند تجھ کو
گردوں کرے بڑھا کر بالا بلند تجھ کو — ہاں! کون سے کھلونے ہیں دل پسند تجھ کو

آ! مل کے ساتھ کھیلیں ہم تم ہلال دونو

★

بچپن کی یاد

تیرے ایارغ کا ہوں میں جرعہ خوار بچپن — باقی ہے تیری مے کا اب تک خمار بچپن
تیرے فراق میں ہوں، میں بیقرار بچپن — کر لوں گلے لگا کر آ! تجھ کو پیار بچپن
کیوں مجھ سے روٹھ بیٹھا، تیری نثار بچپن

پھر خاک کا گھروندا آنگن میں میں بنا لوں — چھوٹی سی اپنی کشتی پانی میں پھر بہا لوں
طفلی کے پیارے پیارے معصوم گیت گا لوں — پھر بانسری بجا لوں، پھر جھنجھنا بجا لوں
دو دن کو اے جوانی! دیدے اُدھار بچپن

وہ عہد بیخودی بھی، پرور نگار کیا تھا — حسرت کی جب نظر سے ہر شئے کو دیکھتا تھا
نیچر کا جو نظارا تھا۔ آرزو فزا تھا — قوسِ قزح کے پیچھے میں ان کو دوڑتا تھا
بہر قمر تھا شب کو میں اشکبار بچپن

تو آئے ہائے طفلی! جا کر کہاں یہ ممکن — اور میرے ساتھ کھیلیں میرے رفیق کمسن
تیرا خیال پھر بھی تسکیں فزا ہے لیکن — گلیوں میں دوڑتا تھا کس لطف کے تھے وہ دن
گھوڑے پہ اپنے ہو کر جب میں سوار بچپن

توڑے گئے جوانی! طفلی کے کیا کھلونے — وہ میرے ننھے ننھے تسکیں فزا کھلونے
میں جن سے کھیلتا تھا دلربا کھلونے — لادے کہیں سے مجھ کو وہ خوشنما کھلونے

اُن پیاری مورتوں کو ہوں بیقرار بچپن

پیارا تھا باپ کا میں، اور ماں کا لاڈلا تھا — گھر بھر میں پھول گویا میں اک گلاب کا تھا
صورت بھی دلربا بھی چہرہ بھی خوشنما تھا — وہ ننھے ننھے تلوے۔ وہ ابھرا ابھرا تھا

بھولے نہیں وہ تیرے نقش و نگار بچپن

سنت کی وہ گلے میں چھوٹی سی آہ ہیکل — کانوں میں ہلکے ہلکے وہ موتیوں کے کنڈل
وہ لمبے لمبے گیسو لٹکے ہوئے مسلسل — وہ سرخ سرخ غازہ۔ بہتا ہوا وہ کاجل

وہ ہائے تیرا جوبن، اور وہ سنگھار بچپن

پھولوں کا وہ مہکنا، کلیوں کا وہ چٹکنا — سبزہ کا وہ لہکنا، شاخوں کا وہ لچکنا
چڑیوں کا وہ پھدکنا۔ قمری کا وہ چہکنا — وہ رعد کا کڑکنا، بجلی کا وہ چمکنا

وہ ٹھنڈی ٹھنڈی جھڑیاں اور وہ ہوا بچپن

کیچڑ میں وہ پھسل کر گلیوں میں لوٹ جانا — اور میرے ہمسنوں کا وہ قہقہے لگانا
شانہ پکڑ کے میرا آہستہ پھر اٹھانا — لت پت وہ گھر کو آنا۔ وہ ماں کا مسکرانا

کرتہ نیا بدل کر نا وہ پیار بچپن

آ عمرِ رفتہ آ کر مجھ کو گلے لگالے — آ اے شباب! میری طفلی کے ناز اٹھالے
عمرِ رواں نے تجھ کو کس کے کیا حوالے — پایا نشاں نہ تیرا او چھپ کے جانے والے

کھویا گیا کہاں تو، تیرے نثار بچپن

کوئل کی آہ! کُوکُو وقتِ سحر وہی ہے — نالوں میں بلبلوں کے اب بھی اثر وہی ہے
تیرا بھی او پپیہا! سوزِ جگر وہی ہے — سورج وہی ہے دن کو شب کو قمر وہی ہے
تیرے مگر کہاں وہ لیل و نہارِ بچپن

تُو نے چرا لیا ہے بچپن مرا جوانی — تیری طرف سے ظالم ہو مجھ کو بدگمانی
اک تیرے دم سے طفلی تھا لطفِ زندگانی — میں غمزدہ سناؤں غم کی کسے کہانی
تُو ہی نہیں رہا جب او غمگسارِ بچپن

داغوں سے ہو سجاتا چھوٹی سی تیری خلوت — نالوں کو ساتھ لے کر کرتا طوافِ تربت
مجھ غمزدہ کی لیکن ایسی کہاں تھی قسمت — چلتا جو میرا قابو تو آہ! وقتِ رحلت
پہلو میں میں بناتا تیرا مزارِ بچپن

تجھ کو خبر نہیں ہے میرے غمِ نہاں کی — آ! چاشنی چکھاؤں نطقِ شکر فشاں کی
تکرار یہ بھی کوئی ہے نالہ و فغاں کی — بھاتی نہیں پپیہا رٹ مجھ کو پی کہاں کی
میں کہہ کے رو دوں طفلی اور تو پکارے بچپن

دایہ کے دوش، ماں کی آغوش سے جدا ہوں — سڑکوں پہ خاک اڑاتا گلیوں میں لوٹتا ہوں
طفلی کی آرزوؤ! تم سے بچھڑ گیا ہوں — ان پیاری لوریوں کو کب سے ترس رہا ہوں
لے لے شباب، دیدے پروردگار بچپن

☆

اُمید اور طفلی

یاد بچپن کے ہیں وہ دن اُمید — جب تھی تو آہ صغر سِن اُمید
میں بھی کمسن تھا تو بھی کمسن تھی — اور تری آرزو بھی کمسن تھی

تو کھلونا تھی میرے بچپن کا — تجھ سے تھا ساتھ چولی دامن کا
ہائے! وہ تیرے پھول سے رخسار — اُف! وہ بچپن کے تیرے ساتوں سنگھار
لال لال انگلیاں حنا آلود — ہستی بالیدہ لب کبود کبود
وضع البیلی۔ چال متوالی — میرے بچپن کی گیسوؤں والی
تو نے کیوں میرا ساتھ چھوڑ دیا — ہاتھ میں لے کے ہاتھ چھوڑ دیا
تجھ میں کیا وہ وفا کی خو نہ رہی — نہ رہا میں ہی یا وہ تو نہ رہی
نہ وہ چاہت نہ ہو وہ ناز و نیاز — کہ وہ تیرے بدل گئے انداز
وہ مروّت رہی نہ اگلی سی — وہ محبت رہی نہ اگلی سی

پھر گئی تو نگاہ کی صورت — نہ رہی وہ نباہ کی صورت
طور بے طور ہو گئے تیرے — ڈھنگ کچھ اور ہو گئے تیرے
کس سے تو آہ دل لگا بیٹھی — کس سے پہلو میں چھپ کے جا بیٹھی
مجھ کو تو کتنی جلد بھول گئی — غیر کی آرزو پہ بھول گئی
او! مری لاڈلی! مری پیاری! — تھی یہی آہ! شرطِ غمخواری
میرے بچپن کی غمگسار تھی تو — میری طفلی کی یادگار تھی تو

مجھ سے بیگانہ تو نہ تھی پہلے
مجھ سے بیزار تو نہ تھی پہلے

رات کو لوریاں سُناتی تھی
دن کو جھولا مجھے جھُلاتی تھی

اُف! وہ معصوم مشغلے تیرے
وہ ادائیں وہ چوچلے تیرے

وہ گلے سے مجھے لگا لینا
نیچی نظروں سے دل لُبھا لینا

بول میٹھے وہ بولنا ہنس کر
لب سے وہ قند گھولنا ہنس کر

کبھی چاہت جتا کے کرنا پیار
کبھی کہنا "میں تیرے رُخ کے نثار"

او! مرے باغ کی کلی اُمید!
میری طفلی کی لاڈلی اُمید!

تجھ میں غمّازیاں نہ تھیں پہلے
فتنہ پردازیاں نہ تھیں پہلے

کھیلنے کودنے کی گھاتیں تھیں
اور تری پیاری پیاری باتیں تھیں

گو کھلونے تھے مجھ کو سب سے عزیز
تھی مگر آہ! تُو کچھ اور ہی چیز

لے کے ظالم! دل و جگر تو نے
پھیر لی مجھ سے کیا نظر تو نے

وہ لڑکپن کے مشغلے نہ رہے
وہ اُمنگیں، وہ ولولے نہ رہے

نہ وہ اگلی سی خاکبازی ہے
نہ وہ نغمے۔ نہ نے نوازی ہے

وہ تری جاں نثاریاں نہ رہیں
آہ! وہ نے سواریاں نہ رہیں

اگست سنہ ۱۹۰۵ء

ترانۂ خواب

سنہ ۱۹۰۸ء

پھولوں میں اے دل! تجھ کو چھپا کر
سورج کی کرنوں سے بچا کر
دن بھر تیری کی رکھوالی
تجھ پہ کسی نے آنکھ نہ ڈالی
سو جا! سو گئیں چڑیاں کب کی
رہ گئیں آدھی گھڑیاں شب کی
بادِ صبا دیتی ہے لوری
چاندنی ہے کیا گوری گوری
شام سے ہے کیوں مضطر سو جا
پھولوں کے بستر پر سو جا

سو گئے اے دل دُنیا والے
اَب تو ذرا پلکیں جھپکا لے
دریا کی خاموش ہیں لہریں
نیند سے ہم آغوش ہیں لہریں
سو گیا سبزہ نہر کنارے
سو جا میرے راج دُلارے

اِس گلشن کا ہوں شیدائی
جس کی انوکھی ہے رعنائی
اونچے اونچے جس کے شجر ہیں
میٹھے میٹھے جس کے ثمر ہیں
بکتے ہیں گلزاروں میں جو
بکتے ہیں بازاروں میں جو
عالم رویا۔ تیرے صدقے
طرفہ تماشا تیرے صدقے
دل کو ہوا پر اُڑتے دیکھا
مثل کبوتر اُڑتے دیکھا

وا تھیں آنکھیں سانِ نرگس
تھی رنجور میں شانِ نرگس

میٹھی نیند میں سو جا اے دل
اَب تو ذرا چُپ ہو جا اے دل
یاس گہہ غم ہے یہ دُنیا
بزمِ ماتم... ہے یہ دُنیا
بارِ الم اس میں نہ اُٹھا تو
نادان غم اس میں نہ اُٹھا تو
سو جا میرے پیارے سو جا
میری آنکھ... کے تارے سو جا

دلِ بیقرار سو جا

کسی مستِ خواب کا ہے عبث انتظار سو جا
کہ گزر گئی شب آدھی، دلِ بے قرار سو جا

یہ نسیم ٹھنڈی ٹھنڈی یہ ہوا کے سرد جھونکے
تجھے دے رہے ہیں لوری مرے غمگسار سو جا

یہ تری صدائے نالہ تجھے متہم نہ کر دے
مرے پردہ دار سو جا، مرے رازدار سو جا

مجھے خوں رُلا رہا ہے ترا دم بہ دم تڑپنا
ترے غم میں آہ! کب سے ہوں میں اشکبار سو جا

ابھی دھان پان ہے تو، نہیں عاشقی کے قابل
یہ تپش کا آہ! شیوہ نہ کر اختیار سو جا

نہ تڑپ زمیں پہ ظالم، تجھے گود میں اُٹھا لوں
تجھے سینے سے لگا لوں، تجھے کر لوں پیار سو جا

تجھے جن کا ہے تصور، ارے مستِ جامِ اُلفت
اُنھیں انکھڑیوں کے صدقے مرے بادہ خوار سو جا

تجھے پہلا سابقہ ہے، شبِ غم بڑی بلا ہے
کہیں مر مٹے نہ ظالم، دلِ بے قرار سو جا

نیرنگِ زمانہ

سنہ ۱۹۱۰ء

وہ بزم ہے نہ وہ ساقی، نہ وہ مے گلرنگ
وہ ساز ہے نہ وہ مطرب، نہ شورِ نغمہ و چنگ

کہاں حسینوں کی وہ دلفریبیِ تمثال
وہ ایشیا کا کہاں، اب مرقعِ ارژنگ

نئے نئے نظر آتے ہیں روز و شب البم
نئے نئے ہیں مناظر نئے نئے ہیں رنگ

ہنسو کی آنکھوں نے افسوں کچھ ایسا پھونک دیا
کہ بت نظر نہیں آتے ہیں سیکڑوں فرسنگ

وہ لیڈیوں کے خدنگِ نظر سے ہیں شہید
جو دل حسینوں کی تیغِ ادا سے تھے چورنگ

ہوا میں جو کوئی بیلون جس طرح اڑتا
اڑائے پھرتے ہیں دل یوں پریوشانِ فرنگ۔

یہ سادگی نے کیا خونِ رنگِ آرائش
کہ مہندی پھیکی ہے، لاکھا ہے پان کا بدرنگ

اڑائیں دستِ زمانہ نے دھجیاں اُن کی
وہ زیب بر جو حسینوں کے کرتیاں تھیں تنگ

زباں سے گو نہ کہیں کھل کے شرم سے لیکن
حجابِ پردہ ہے اب مہوشوں کو باعثِ ننگ

لباس ملک میں ہے نئی تراش نئی خراش [illegible]
[illegible] اگلی سی قطع [illegible] کو وہ ڈھنگ

نہ اب وہ جبّہ و دستار ہے نہ شانِ قبا
کہ سر پہ ہیٹ ہے زیبِ بدن ہے جاکٹ تنگ

مسوں کا ذکر ہے کہتے ہیں جسکو صوم و صلوٰۃ
وضو کے بدلے ہے ہوٹل میں بادۂ گلرنگ

بلا یہ عام ہے اسلام ہی پہ کیا موقوف
بدل گیا ہے طبائع کا ہندوؤں کا بھی رنگ

نہ بتکدوں میں وہ ناقوس کی صدائیں ہیں
نہ لہرا گئی سی اشنان کی ہے لبِ گنگ

نیا لباس نئی وضع ہے حسینوں کی
وہ ہلکی ہلکی کہاں آہ ساریاں خوشرنگ

زمانہ دیکھ کے نشہ نے رنگ بدلا ہے
گلابیاں مئے یورپ کی اب ہیں کاسۂ بنگ

نہ وہ مذاقِ قدیم اب نہ وہ ہے ذوقِ سلیم
دکھا رہا ہے زمانہ نئے نئے نیرنگ

نئے نئے ہیں جواں اور نئے نئے ارماں
نیا شباب جوانی نئی نئی ہے اُمنگ

کلب میں کھیلتا ہے لیڈیوں سے تاش کوئی
مسوں کے ساتھ کوئی بال میں ہے ہم آہنگ

سبق پڑھایا ہے تعلیم نے ہمیں اُلٹا
اُٹھا کے طاق پہ رکھ دی ہے عقل کی فرہنگ

وہ حسن و عشق کے فرسودہ اب کہاں آداب
شبِ وصال کہاں اب حجابِ شوق میں جنگ

ہوائے عشقِ مسوں کی نہ دل کو راس آئی
زمیں پہ ٹوٹ کے آخر کو گر گیا یہ پتنگ

اُنھیں حسنِ پنہاں سے قوم کی مطلب
نگاہِ ناز کے جو دل پہ کھا چکے ہیں خدنگ

ستم ہے جس میں نہ حُبِّ وطن کا ہو احساس!
وہ دل ہو چُور، کہ بہتر ہے اس سے پارۂ سنگ

☆

شیون عروس

سو گیا بالش پہ سر رکھ کے وہ محوِ فکرِ سخن ناگہاں آئی نظر اک لعبتِ سیمیں بدن
اُلجھے سُلجھے بال۔ مستانہ ادا متوالی چال تیکھی چتون۔ گورے گورے گال چھوٹا سا دہن
ننھی ننھی اُنگلیاں۔ پتلی کمر بوٹا سا قد اُس پہ سونے پہ سہاگہ جامہ زیبی کی پھبن
گوری ساقِ سیمیں، پیاری پیاری ایڑیاں قد چھریرا جسم سانچے میں ڈھلا نازک بدن
ننھے ننھے دانت۔ کلیاں موتیا کی خوشنما پتلے پتلے نرم و نازک ہونٹ برگِ یاسمن
تھے لبِ نگیں پہ مستی کی اداہٹ کے نشاں اودے اودے والسوں کا تھا شگفتہ اک چمن
دوش پر زرکش ردا چہرے پہ زرّیں نقاب سیم قامت سیمبر سیمیں بدن سیمیں ذقن
لب میں تھی جادو بھری آنکھوں میں سحرِ سامری قد میں تھی فتنہ گری رفتار میں تھا بانکپن
رُخ کی افشاں کا عجب عالم تحیر خیز تھا دن میں آتی تھی نظر تاروں بھری اک انجمن
دستِ قدرت نے بنائی تھی عجب زُلفِ سیاہ کس دیا گویا کسوٹی پر تھا کندن سا بدن
اُبھرے سینے پر جوانی کے تھے نورس ثمر ٹھسے نکلے تنگی میں جم تھے دو جوانِ صف شکن
تھا نزاکت کا اشارہ یہ رمِ مشقِ خرام ایسے نازک جو ہو اک ٹہنی سی پھولوں کی فن
گورے گورے ہاتھوں میں تھیں دھانی چوڑیاں پیارے پیارے بازوؤں میں ہلکے ہلکے نورتن
بھینی بھینی بس کہ آتی تھی تنِ نازک سے بو صانعِ قدرت نے صندل کا بنایا تھا بدن
اُبھرا سینہ، اُس پہ جانی کی وہ محرم چست چسپت اُٹھتا جوبن۔ اُس پہ اودی اودی کرتی کی پھبن
کیا کہوں اُس نازنیں کا عالمِ حسنِ شباب پھوٹ نکلی تھی جوانی بن کے سورج کی کرن

اک نمونہ تھی ید قدرت کا کافر الغرض — بھولی بھولی شکل تھی اور گورا گورا تھا بدن

حسن کی ماتی ہوئی۔ اک اک سے اٹھلاتی ہوئی — چلبلی، چنچل، نکیلی، سانولی، غنچہ دہن

جب نظر اس دھج سے آئی وہ عروس مہ لقا — لے گئی دل کو اڑا کر صاف گھونگٹ کی پھبن

پھر کیا آہستہ میں نے یوں بصد اظہار شوق — او نکیلی، لمبے گھونگٹ والی شرمیلی دلہن

کیا ترا نام و نشاں ہے؟ کیا حسب ہے کیا نسب؟ — ہے کہاں تیرا گھرانا؟ اور کدھر تیرا وطن

کس کے ناز و نعم تو ہے پالی ہوئی اے نازنیں — کس کی آنکھوں کی ہے پتلی اے بت تقویٰ شکن

شمع محفل جس کی تو ہے وہ شبستاں ہے کدھر — تو کلی ہے جس کی، پھولوں کا کہاں ہے وہ چمن

ہیں کسی عاشق کے قبضے میں جوانی کے ثمر — یا اچھوتا او حسینہ! ہے ترا سیب ذقن

مجھ سے سن کر یہ سخن گردن جھکا کر شرم سے — یوں ہوئی گویا زباں سے وہ عروس سیمتن

یادگار عز و شان دولت اسلامیہ — دلی والی ہوں میں اردوئے معلیٰ کی دلہن

دورۂ اسلام میں تھا جو کبھی کرسی نشیں — لوح اوراق زمانہ پر ہوں وہ نقش کہن

شاہزادی تھی کبھی دلی کی میں او بے خبر — میرے سر پر چتر شاہی تھا کبھی سایہ فگن

پھر کہا اس شعلہ رو نے یوں بصد سوز و گداز — شمع محفل جس کی تھی میں اٹھ گئی وہ انجمن

جس پہ لہرایا کیا صدیوں تک اسلامی نشاں — نذر طوفاں ہو گیا وہ تختۂ عہد کہن

بھینی بھینی جس میں امیدوں کی کلیاں تھیں کھلیں — تختۂ مشق خزاں ہے اب وہ پھولوں کا چمن

اب کہاں وہ افسر زرینہ اورنگ و تاج — اب نہ جینے میں ادا ہے اور مرنے میں پھبن

خانہ ویرانی برستی ہے در و دیوار پہ — نقش عبرت اب ہیں آثار صنادید کہن

برش تیغ عرب میں اب وہ دم خم ہیں کہاں — اب نہ وہ بانکی ادا ہے اور ترکانہ فن

ہند میں اسلام کا جھنڈا ہی اب یوں سرنگوں
کھا کے نیزہ خاک پر جیسے گرے کوئی ہرن

گل کھلاتی رزم میں تھی جن کی تیغِ خونفشاں
اُن کے مرقد پر ہے پھولا لالۂ خونیں کفن

چھپ گئے کُنجِ عدم میں کیسے کیسے حکمراں
لگ گیا افسوس کس کس ماہِ کامل کو گہن

سر پہ دلّی کے جہانداری کا سہرا اب کہاں
شاہدِ ماتم نشیں ہے اب یہ البیلی دلہن

اب وہ آہنگِ تعیش ہے نہ وہ کوسِ نشاط
اب نہ وہ بزمِ شبانہ ہے نہ لطفِ انجمن

ہیں کہاں دلّی کی اب وہ پُر فضا گلیاں کہاں
ہائے وہ قصرِ مُرصّع اور وہ ایوانِ کہن

مٹ گئے سب رفتہ رفتہ میری عظمت کے نشاں
رہ گیا باقی فقط افسانۂ رنج و محن

وہ مرا ننھا سا سن، وہ جانفزا طفلی کے دن
وہ شرارت وہ نزاکت، وہ ادا وہ بانکپن

آرزوئیں ناچتی پھرتی تھیں چھم چھم سامنے
پیاری پیاری تھی عجب کمسن امیدوں کی پھبن

باتیں کرنا سیکھتی تھی بیگموں کی گود میں
ڈھل رہا تھا حُسن کے سانچے میں اندازِ سخن

اک طلسمِ نو کلیدِ شوخیٔ تقریر تھی
قفلِ ابجد بن کے کھل جاتا تھا چھوٹا سا دہن

جب ہوا بوٹا سا قد نشو و نما پا کر بڑا
رکھ دیا سر پر فصاحت کا مرے تاجِ سخن

لے اڑی پردے سے باہر پھر تو شوخی حسن کی
بن کے قصۂ مختصر یاروں میں آئی میں دلہن

کچھ دنوں بارے رہی دلّی میں سرگرمِ نشاط
جا کے چمکایا ہر اک محفل رنگِ انجمن

رفتہ رفتہ لکھنؤ کو پھر مرا جانا ہوا
بن کے میکے سے گئی سسرال شرمیلی دلہن

نیچی نظروں نے کیا کتنے جوانوں کو شہید
کر گئی کتنوں کو بسمل میرے گھونگٹ کی پھبن

میرے مقدم کے بہت دن سے تمنائی جو تھے
بول اُٹھے صد مرحبا بیساختہ اہلِ سخن

شہر میں ہر سو لگے جو تھا جوشِ غزلخوانی بھرا
آ کے چہکے حسن کے پھولوں پہ مرغانِ چمن

شاعروں نے ایشیائی طرز پر ڈھالا مجھے — کر دیا اُس پر ملمع تھا جو کُندن سا بدن

زُلف میں شانہ کیا۔ کاجل لگایا آنکھ میں — بھینی بھینی بدّیاں پھولوں کی کیں زیبِ بدن

کچھ عجب انداز سے کھینچا مرا نقشِ وجود — کر دیا معدُوم دونوں کو۔ کمر کیا۔ کیا دہن

رُخ پہ گلگونہ ملا۔ مہندی لگائی ہاتھ میں — رنگ دیا رنگِ تصنّع میں مرا سارا بدن

لوحِ ہستی پہ بنا کر آہ میرا کالبد — رنگ بھر بھر کر بگاڑا پیکرِ حُسنِ سُخن

او رنگیلی قوم! او دلدادۂ رنگِ نشاط! — او شہیدِ جلوۂ حُسنِ بُتانِ سیمتن

او شرابِ عشق کے مخمور! او بدمستِ عیش! — تا کجا شوریدۂ سودائے زُلفِ پُرشکن

تا کجا سرگرمِ افکارِ پریشانِ کمر — تا کجا نکتہ طرازِ فکرِ مضمونِ دہن

او نمود آرا! تا کجا ترتیبِ بزمِ حُسن و عشق — کب سے ہے اُجڑی ہوئی افسوس تیری انجمن

ہے سپہرِ قوم پر چھائی ہوئی بے رونقی — لگ رہا ہے آہ! دونوں چاند سورج کو گہن

چھا رہا اسلام پر ہے اب بڑھاپا سر بسر — قوم کا پُتلا ہے اب پیرِ نحیف و خستہ تن

کچھ خبر بھی ہے تجھے او نیند کے ماتے ہوئے — بن رہی ہے اب تری شہرِ خموشاں انجمن

اب تو اُٹھ! سو کہ سوتے سوتے صدیاں ہو گئیں — اب تو تو کروٹ بدل! بدلا زمانے نے چلن

اب تو ظالم کھول دے زلفِ دوتا کی بیڑیاں — ہے تجھے انجام دینے کو بڑی قومی مشن

اب تو کر دے مرغِ دل کو دامِ گیسو سے رہا — سامنے ہے خوشنما نیچر کے پھولوں کا چمن

ایشیائی وضع سے جی میرا گھبرانے لگا — مجھ کو صدیاں ہو گئیں پہنے ہوئے یہ پیرہن

او زمانہ! وہ بھی ہوگا کوئی دورِ روزگار — نکلے جب پردے سے نکلونگی میں نیچر کی دلہن

میں سپہرِ قوم پر چمکونگی بن کر آفتاب — وہ بھی دن ہونگے کوئی اے دورِ چرخِ کہن

نومبر سنہ ۱۹۰۲ء

شیونِ داغ

سنہ ۱۹۰۵ء

پھولوں میں آہ! کس کے ہے بوئے قبائے داغ
آتی ہے بھینی بھینی کہاں سے ہوائے داغ
مُنہ اپنا آئینے میں ذرا دیکھ او قمر
دے مجھ کو دور سے نہ فریب ادائے داغ

آ! عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں
تُو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے داغ

دل سوز اک ہے تو شبِ غم میں چراغِ گور
آتی ہے تیرے پھولوں سے بوئے وفائے داغ

خاموش ہیں بہار میں مرغانِ نغمہ سنج
ہے ہے اِکدھر ہے نالۂ رنگیں نوائے داغ

نیرنگیوں پہ ناز نہ کر تیرے رخِ یار کُش
لینا ہے تجھ سے حشر کے دن خونبہائے داغ

نکلے شکوہ سے کہ جنازہ ہے داغ کا
گلگوں قبائے داغ ہو۔ رنگیں ردائے داغ

اُٹھی زمیں سے آہ! نہ اے گنبدِ مزار!
خاموش ہو کے بیٹھ گئی کیا صدائے داغ

تلووں سے مل کے پھینک دیا کیوں عروس دہر
چوٹی کا پھول تھا گلِ رنگیں ادائے داغ

پڑھتے ہیں ماہ و مہر شب و روز فاتحہ
خس سر زمیں پہ آہ! ہے خلوت سرائے داغ

ہم کیا کہیں کہ کتنے دکھائے ہیں سبز باغ
داغوں پہ اے فلک! ہیں دیے تو نے اے داغ

تھا بزمِ آرزو میں ابھی ماتم امیرؔ
اب دل سے آ رہی ہے صدا ہائے ہائے داغ

ہر دم زمانہ داغ دگر گونہ در دھد
یک داغ نیک ناشدہ داغ دگر دھد

★

نوحۂ وفات
شمس العلما آزاد مرحوم

سنہ ۱۹۱۰ع

تو کہاں ہے آہ! اے او نازشِ بزمِ سخن
محشرستانِ عزاداری ہے تیری انجمن

تیرے غم میں تیرے دیوانے ہیں سرگرمِ تپش
بجھ گئی ہے شمع، پروانے ہیں سرگرمِ تپش

چھپ گیا کیا آہ! تو اے نیرِ اوجِ کمال
شامِ غم کا ہے سیہ خانہ تری بزمِ خیال

تیری محفل میں کہاں اب وہ چراغِ آرزو
اَب نظر آتا ہے اک دھندلا سا داغِ آرزو

اَب نہ وہ صحرا نوردی ہے نہ وہ ایذائے خار
اَب اُڑائے پھرتی ہے بادِ صبا تیرا غبار

اَب کہاں دلّی کی گلیاں اب کہاں جوشِ جنوں
اَب کہاں زُلفِ پریشاں دوش بر دوشِ جنوں

اَب رگِ جاں میں کہاں وہ نوکِ نشتر کی خلش
جسمِ لاغر میں کہاں اَب تارِ بستر کی خلش

اَب کہاں وہ آہ ، سر پر طرّہ و دستارِ کج
جوشِ وحشت میں کہاں وہ شوخیٔ رفتارِ کج

اَب کہاں وہ صحبتِ احباب سے بیگانگی
نازشِ فرزانگی اَب وہ کہاں دیوانگی

تیری آشفتہ بیانی کا وہ اب عالم کہاں
شاہدِ مضموں کے وہ گیسوئے برہم اب کہاں

سازِ ہستی اَب ہے نغمہ بے صدا زیرِ زمیں
تیرے ماتم میں ہے اک محشر بپا زیرِ زمیں

پُرزے پُرزے ہے لحد میں اب گریبانِ کفن
بخیۂ وحشت سے ہے صد چاک دامانِ کفن

اک ترے دم سے تھی قائم شانِ معراجِ سُخن
آسماں رکھے گا کس کے سر پہ اب تاجِ سُخن

چٹکیاں پہلو میں لے گا کس کا اندازِ بیاں
کس کی باتیں اب چھُبیں گی دل میں بنکر برچھیاں

دل کو برمائے گی کس کے نوکِ مژگاں کی خلش
کچھ عجب لذت فزا تھی تیرے پیکاں کی خلش

آہ! یوں کھینچے گا نظم و نثر کی تصویر کون
اپنے دیوانوں کو اب پہنائے گا زنجیر کون

نوحہ

سنہ ۱۹۰۷ء

(منشی بالمکند صاحب گپتا مرحوم، ایڈیٹر "بھارت متر" کلکتہ

آنکھوں کو کیوں ہے بارشِ خونِ جگر پسند
ہونٹوں کو کیوں ہے نالۂ شورش اثر پسند
غم کیوں ہے تجھ کو اے دلِ شوریدہ سر پسند
دُنیا سے آہ! کس کو ہے عزمِ سفر پسند

جاتا ہے آج منزلِ ہستی سے آہ کون
نظروں میں کر چلا یہ زمانہ سیاہ کون

خاموش کیوں ہے بزمِ سخن آہ کیا ہوا
ہندوستاں سے دارِ محن آہ کیا ہوا
پہنایا کس نے آج کفن آہ کیا ہوا
یہ نالہائے تاب شکن آہ کیا ہوا
کشتی تباہ کیوں ہے دلِ دردمند کی
دُنیا سے آہ کِس نے یہ رحلت پسند کی

اک آگ لگ رہی تپِ سوزِ نہاں کی ہے
گرمی جگر میں اُف! یا الٰہی کہاں کی ہے
دل میں خلش یہ کس المِ جانستاں کی ہے
پہلو میں آہ! نوک کھٹکتی سناں کی ہے
نشتر ہے غم کا شہرگِ جاں میں مچل رہا
ہے چپکے چپکے کوئی کلیجہ مسل رہا

اے بے کسی یہ سانحۂ جاں گزا ہے کیا
یہ ہائے ہائے نالۂ خونِ نوا ہے کیا
اے درد اُٹھ کے دیکھ یہ آہ و بکا ہے کیا
لب پر یہ جوشِ نالۂ حسرت فزا ہے کیا
تسکینِ قلب ہے نہ شکیبِ جگر ہے تُو
اے صبر کس کے سوگ میں وحشت اثر ہے تُو

پہلو میں درد ہائے دلِ خوں گشتہ رہ گیا
تو کس کے غم میں خونِ جگر ہو کے بہہ گیا
دنیا کو خیر باد کوئی آج کہہ گیا
ناہِ سپہر فضل و ادب آہ گہہ گیا

ظلمت غم و الم کی مسلط جہاں پہ ہے
صدمہ غضب کا آہ دلِ ناتواں پہ ہے

اوجِ کمال کا مہر کامل کدھر گیا
تھا اک چراغ رونقِ محفل کدھر گیا
ویران "مترؔ[1]" ہے تری منزل کدھر گیا
ہے ہے! ترا اڈیٹرِ فاضل کدھر گیا

وہ مہرِ آسمانِ فصاحت کہاں ہے آج
وہ آفتابِ اوجِ بلاغت کہاں ہے آج

اے تاجِ نثر کے دُرِ یکتا کہاں ہے تو
باغِ ادب کے اے گُلِ رعنا کہاں ہے تو
اے گلبنِ ریاضِ تمنّا کہاں ہے تو
نظریں ہیں ڈھونڈتی تجھے "گیتا" کہاں ہے تو

---

[1] اخبار بھارت متر۔ کلکتہ

ہے ہے! ترے خیال کی وہ تازہ کاریاں
دلکش وہ تیری نثر، وہ جادو نگاریاں

خاموش کیوں ہے طوطیِ شکّر فشاں چہک
باغِ سخن کے بلبلِ رنگیں بیاں چہک
آ! ایک بار بزمِ احبّا میں ہاں چہک
روح القدس سے خلد میں ہے ہمزباں چہک

مدّت ہوئی کہ تیرے ترانے سنے نہیں
خوابِ عدم کے آہ فسانے سنے نہیں

وہ آہ! تیری شوخیِ تحریر کیا ہوئی
فقرے وہ چُست چُست وہ تقریر کیا ہوئی
طرزِ بیاں کی وہ بڑی تاثیر کیا ہوئی
جس کے اسیر ہم تھے وہ زنجیر کیا ہوئی

لب ہیں خموش طرزِ تکلّم کو کیا ہوا
جنبش نہیں ہے موجِ تبسّم کو کیا ہوا

خاموش آہ! بزمِ احبّا کئے ہوئے
جاتا کہاں ہے داغ جگر پر دئے ہوئے
ہم تیرے سوگ میں غمِ دنیا لئے ہوئے
بیٹھے ہیں آج خونِ تمنّا پئے ہوئے

دیکھے جو تُو تو تجھ کو دکھائیں جگر کے داغ
ناسُور بن گئے ہیں دلِ نوحہ گر کے داغ

او جانے والے پھر کے ادھر دیکھ لے ذرا
آنکھوں سے رنگِ خونِ جگر دیکھ لے ذرا
اپنی گلی میں خاک بسر دیکھ لے ذرا
اک بار تو اُٹھا کے نظر دیکھ لے ذرا

ہم کب سے آہ! خاک اُڑاتے ہیں راہ میں
اور سو رہا زمیں کی ہے تُو خواب گاہ میں

نقشِ حیات تیرا زمانہ مٹا چکا
رنگِ نشاطِ بزمِ شبانہ مٹا چکا
رنگیں نوائیوں کا ترانہ مٹا چکا
جادو نگاریوں کا فسانہ مٹا چکا

باقی ہوا میں اب نہیں تیرا غبار بھی
اُڑتے نہیں ہیں راکھ سے تیرے شرار بھی

تُو اور ادیبِ مصرِ معانی کدھر گیا
ہمراہ تیرے دفترِ علم و ہنر گیا
دُنیا سے آہ کیا ترا رختِ سفر گیا
پہلو سے صبر دل سے شکیبِ جگر گیا

اب تک وہی ترا الم جان شکن ہے حیف!
اب تک وہی ترا غم پرماں شکن ہے حیف

پہلو میں اُٹھ کے درد مرے چٹکیاں نہ لے
یہ اُلٹی اُلٹی سانسیں دلِ ناتواں نہ لے
میں خود ستم زدہ ہوں مرا امتحاں نہ لے
یہ انتقام اے ستمِ آسماں نہ لے
میرے جگر پہ آہ! نہ یہ غم کا داغ دے
سودا غ دے، مگر نہ یہ ماتم کا داغ دے

بے کس سمجھ کے مجھ پہ نہ کر آسماں ستم
تیرے ستم بلا کے ہیں نامہرباں ستم
یہ حادثہ غضب، یہ غمِ ناگہاں ستم
اُف! اُف!! یہ داغ یہ المِ جانستاں ستم
بادِ اجل بجھا نہ تو ایسے چراغ کو
لو کا لگا نہ میرے کلیجے کے داغ کو

ہے کس کو روندتا فلک یکہ تاز تو
کیا ڈھا رہا ہے یہ ستم او فتنہ ساز تو
کس پر کرے گی فکرِ رسا آہ ناز تو
ایسا کہاں سے لائے گی جادو طراز تو

سانچے میں کون ڈھالیگا اردو زباں کی نثر
تھی لاجواب طوطیِ شکر فشاں کی نثر

شیریں شلیس کے وہ چھُٹے تراجم وہ شوخ و شنگ
اُردو میں آہ وہ ترے طرزِ بیاں کا رنگ
وہ تیُر ا زورِ طبع وہ تحریر کی اُمنگ
تیری صریر کلک تھی یا تھی صدائے چنگ

جادو بھرا تھا کوٹ کے تیری زبان میں
شوخی غضب کی تھی ترے طرزِ بیان میں

ہے آہ! تیرے سوگ میں بزمِ ہُنر خموش
ہمروانے تفنہ جاں ہیں چراغِ سحر خموش
لب پر ادھر ہیں نالۂ شورش اثر خموش
اور تو تہِ زمین ہے اُف اُف!! اُدھر خموش

کیا جانے آہ! محو ہے تو کس خیال میں
رنگِ سکوت اب ہے تری بول چال میں

تیرے قلم کی آہ روانی کدھر گئی
ندّی چڑھی تھی طبع رواں کی اُتر گئی
ہمراہ تیرے تابِ شکیب جگر گئی
افسوس دل کے ساتھ تمنّا بھی مرگئی

حسرت غریب بھی ترے ماتم میں مر مٹی
اک بے کسی تھی وہ بھی ترے غم میں مر مٹی

اُف اُف! یہ حادثہ ستمِ آسماں دریغ
ہے ہے! یہ حادثہ اجلِ ناگہاں دریغ
لب پر یہ شورِ نالہ و آہ و فغاں دریغ
یہ ہائے ہائے اے دلِ فریاد خواں دریغ
غم مجھ کو ہے نہ تو کہیں اس غم میں مر مٹے
حسرت نہ مرنے والے کے ماتم میں مر مٹے

دیوانہ ہو گیا ہے ذرا اب تو صبر کر
او مبتلائے کربِ دلا اب تو صبر کر
ہے گرچہ غم یہ ہوش رُبا اب تو صبر کر
کب تک یہ شورِ بین و بُکا اب تو صبر کر

پہلو میں میرے اب نہ دلِ خستہ جاں تڑپ
اتنا بھی غم، سنبھل کے ذرا ناتواں تڑپ

ڈرتا ہوں آرزو کا کہیں دم نکل نہ جائے
پہلو میں اُٹھ کے دردِ تمنا مچل نہ جائے
گردن پہ بے کسی کی چھری غم کی چل نہ جائے
دل خون ہو کے جوششِ گریہ اُبل نہ جائے

ارمان مرمٹیں گے نہ ان کا فشار کر
کم بخت اَب تو صبر ذرا اختیار کر

جادو نگار و سحرِ رقم وا مُصیبتا
تُو اور سکوتِ خوابِ عدم وا مُصیبتا
یہ رنج، یہ قلق یہ اَلم، وا مُصیبتا
او آسماں یہ طرزِ ستم وا مصیبتا

"گپتا" نہ آہ تو ہمیں داغ فراق دے
بجلی گرا کے سوزِ غمِ اشتیاق دے

بے مہر و بے وفا تجھے دنیا کہے گی کیا
ماتم کدہ ہے ۔ بزم احبّا کہے گی کیا
لوُٹی گئی ہے ۔ تجھ کو یہ دُکھیا کہے گی کیا
خوں ہو گئی یہ غیب کی دُنیا کہے گی کیا

تیرے ستم سے آہ! کوئی دادرس نہیں
بے درد تو کسی کا بھی فریادرس نہیں

ضیّا دمرگ! شوق سے ہم کو ہلاک کر
یوں تیرِ غم نہ مار، کلیجے پہ تاک کر
پہلو کو یوں نہ دشنۂ ماتم سے چاک کر
جھگڑا ہماری ہستیِ فانی کا پاک کر

مٹ جائیں کاش دہر سے ہم سے ستم نصیب
ہوں آہ! جینے جی تو نہ یہ داغِ غم نصیب

چھ کوں پہ اے اجل نہ یہ چھپ کے جگر پہ دے
ظالم نہ آب نوکِ سناں نشتر پہ دے
یہ داغِ سے کسی نہ دلِ نوحہ گر پہ دے
دیکھے نہ ماہ و مہر سپہرِ ہنر پہ دے

تارے نہ اوجِ عالمِ امکاں کے توڑ تو
خوش رنگ ہیں یہ گل نہ گلستاں کے توڑ تو

داغوں پہ اے فلک! ہیں دیے تو نے آہ داغ
نیرنگیوں نے تیری دکھائے ہیں سبز باغ
بے مہر ہیں سبھی تیری ہے ظالم کسے فراغ
تو نے جلا جلا کے بجھائے بہت چراغ

تیرے ستم غضب کے جفائیں بلا کی ہیں
گردش میں تیری آہ! ادائیں قضا کی ہیں

اے "رام" تیرا دل سے ابھی غم گیا نہ تھا
ہم سوگوار تھے، ترا ماتم گیا نہ تھا
سینے سے جوشِ نالۂ پیہم گیا نہ تھا
دل سے بخارِ آہ مشرر دم گیا نہ تھا

منجدھار میں پڑی ہوئی کشتی سکوں کی تھی
آنکھوں سے آہ! نہر رواں موجِ خوں کی تھی

تھا ہم کو تیرا رنگ تصوّف رُلا رہا
اُدھر تو گلوں پہ خُلد کے تھا چھپا رہا
وحدت کا گیت تو لبِ کوثر تھا گا رہا
مُرغانِ قدس کو تھا ترانے سُنا رہا

جوشِ بُکا اِدھر دلِ اندوہگیں میں تھا
اور تو ترانہ ریزِ "بہشتِ بریں" میں تھا

اے چرخ! تو نے اور دیا دل پہ ایک داغ
بزمِ سخن کا کر دیا گُل اور اک چراغ
چھلکا دیا اور ساقیِ گردوں نے اک ایاغ
ٹھکرا دیا اور بزم میں اک کاسۂ دماغ

اب یہ ادیبِ فاضلِ یکتا بھی اُٹھ گیا
رختِ سفر اُٹھا ترا "گیتا" بھی اُٹھ گیا

اک اور وار دل پہ ہوا آسمان کا
اُلٹا ورق زمانے نے ہندوستان کا
لو حشر ہو گیا ختم اُردو زبان کا
پیمانہ بھر گیا مرے رنگیں بیان کا

سوئے مزار دوش پہ احباب لے گئے
تیرے لئے زمیں دُرِ نایاب لے گئے

اے گنجِ شائیگانِ فضیلت کہاں ہے تُو
کیا آہ! خوابگاہِ عدم میں نہاں ہے تُو
کس بوستاں کا بُلبلِ رنگیں بیاں ہے تُو
کس آسماں کا ماہِ تجلّی فشاں ہے تُو

تارے کدھر گئے ترے اوجِ کمال کے
سیارے کیا ہوئے ترے برجِ خیال کے

★

سمہ ۱۹۰۷ء

ایک جلا وطن مُحبِّ قوم کا گیت

نہ ہمنفس ہے۔ نہ ہے کوئی غمگسارِ وطن

وطن کی یاد ہے غربت میں یادگارِ وطن

وطن سے آہ میں نکلا جلا وطن ہو کر

ہزار حیف! کہ مجھ سے چھُٹا دیارِ وطن

رُلا رہی ہے تمنا کو خون یادِ وطن

غریب کب سے غربت میں سوگوارِ وطن

مزارِ حسرتِ مُردہ سے آرہی ہے صدا
کہ زیرِ خاک ہوں اب بھی میں جاں نثارِ وطن
وطن سے لے کے صبا کچھ پیام آئی ہے
کہ آرہی ہے اُڑائے ہوئے غبارِ وطن
خبر تو وحشتِ دل پڑھ کے اک ذرا لاتا
کہ میرے بعد ہوا آہ! کیا فشارِ وطن
زمیں پہ گر نہ پڑوں میں غریب غش کھا کر
سنبھال اُٹھ کے مجھے دردِ انتظارِ وطن

واہ غربت کی بھی آخر کوئی حد ہے کہ نہیں
ہو نہ سرگرمِ تپش اور دلِ ناشادِ وطن
لے ہی جائے گا کبھی جذبۂ یارانِ وطن
پھر دکھائے گا زمانہ ہمیں بنیادِ وطن
شوقِ دیدار میں روزن سے لگی ہیں آنکھیں
کان زنداں میں ہیں حسرت کشِ فریادِ وطن
دل یہ کہتا ہے گلا گھونٹ کے مر جاؤں گا
یہ نہیں غربت میں جو جانکاہ رہی یادِ وطن

ہم سنائے ہوئے ہیں گردشِ ایام کے آہ !
ہم کو یاروں سے نہیں شکوۂ بیدادِ وطن

ساتھ تو نے بھی نہ ہم وحشت نوردوں کا دیا
ہائے ! اے قافلۂ نکہتِ بربادِ وطن

گیت گاتے تھے کبھی حُبِّ وطن کے ہم بھی
وہ بھی دن تھے کہ چمن میں تھے ہم آزادِ وطن

ہم اسیری کے بیزار نہ تھے اے صیّاد
تیرے دشمن تھے نہ ہم اُدّہِ شمشادِ وطن

رحم کر ! رحم اگر صیّاد قفس میں افسوس !
چیختا کب سے ہے اک مُرغِ چمن زادِ وطن

★

نرم و گرم فریق

فخرِ وطن ہیں دونو۔ اور دونو مقتدر ہیں
اے قوم تیرے دُکھ کے دونو ہی چارہ گر ہیں
آپس کے تفرقوں سے ہیں آہ! خوار دونو
اغیار کی نظر میں ہیں بے وقار دونو

مل کر چلو کہ آخر ہو دونو بھائی بھائی
بھائی سے کیا لڑائی۔ بھائی سے کیا بُرائی

کب تک یہ خانہ جنگی - کب تک یہ خود ستائی
زیبا نہیں بڑوں کو پندار خود نمائی
مل کر گلے نکالو، دل کا غبار دونو
اک خاک کے ہو پُتلے پایان کار دونو

تا چند یہ فسانے، غمہائے متصل کے
غیروں کو کیا دکھاتے ہو داغ اپنے دل کے
آئے ہوئے ہیں پہلو میں زخم آہ! اچھل کے
ہو جائے پار کشتی، کوشش کرو جو مل کے

برپا ہے شورِ طوفاں ہو ہوشیار دونو
کر دو بھنور سے قومی بیڑے کو پار دونو

★

لالہ لاجپت رائے

ہم نے یہ مانا کہ اب تصویرِ حیرانی تو ہے
نقشِ حسرت ہے! سراپا دردِ پنہانی تو ہے
جُرمِ اُلفت میں اسیرِ قیدِ سُلطانی تو ہے
جاں نثارِ تاج ہے اَب بھی وہ زندانی تو ہے

اے حبیبِ ملک! تُو اَب بھی وفاداروں میں ہے
دولتِ برطانیہ کے اب بھی غمخواروں میں ہے

تجھ سے یارانِ وطن کو سرگرانی ہو تو ہو
تجھ پہ نازل آہ! جورِ آسمانی ہو تو ہو
تیری جانبازی کا افسانہ کہانی ہو تو ہو
تجھ سے مسٹر مارلے[1] کو بدگمانی ہو تو ہو

---

[1] اس وقت کے صاحب وزیرِ ہند۔

ایک غریب الوطن

محبِّ قوم

اک محبِّ قوم کی ہو آرزوؤں کا فشار
تجھ پہ تف ہے! تجھ پہ تف! اے انقلابِ روزگار
غم کی زنجیروں میں ہے جکڑا ہوا اک فخرِ قوم
ایک ناکردہ گنہ کا مجرموں میں ہو شمار
ایک مرغِ نو گرفتارِ قفس صحرا میں آہ!
ہمصفیرانِ چمن کے غم میں ہو سینہ فگار

دل میں ہو یادِ وطن ۔ آنکھوں میں ہو لختِ جگر
اشکِ گلگوں یوں دکھائیں آہ دامن پر بہار

اک وطن کا پھول یوں آنکھوں میں کھٹکے اے فلک!
آہ! یوں نشتر رگِ جاں میں چبھوئے نوکِ خار

ملک کی خدمت سے ہو محروم اک جاں بازِ ملک
توڑتا زنداں میں دم ہو، ملک کا اک جاں نثار

وادیِ غربت میں ہو سرگرم آہنگِ خروش
لب پہ ہو یادِ وطن میں نالۂ بے اختیار

ہو جو دل سے جاں نثارِ دولت برطانیہ
آہ! ایسے باوفا کا باغیوں میں ہو شمار

★

انقلابِ زمانہ

اَب کہاں وہ تیرے مرغانِ چمن کے زمزمے
اَب نہ وہ قمری کی کُو کُو ہے نہ گلبانگ ہزار
اَب نہ وہ پھولوں کا تختہ ہے نہ کُنجِ خوشنما
ہیں چمن میں کچھ خس و خاشاک عبرت یادگار
چھا گئی کیوں تم سے پھولوں پر خزاں بے وقت آہ
کس نے ہے ہے لوٹ لی تیرے گلستاں کی بہار

دل کو برماتا ہو گزرا جگر سے کس کا تیر؟
ہو گیا تو کس شکار افگن کے ناوک کا شکار

کس کی تیغِ ناز نے دل پر ترے چرکے دیئے
مرغِ بسمل کی طرح جو ہے زمیں پر بیقرار

کر کے دو ٹکڑے کلیجے کے ترے یہ آہ! کون؟
چلدیا. تجھ کو تڑپتا چھوڑ کر بیگانہ وار

کیوں ابھی سے چھا گئی تاریکیٔ شبہائے غم
تیرا سورج آنے پایا تھا نہ تا نصف النہار

صوفیانہ رنگ کے پردے

میں غش ہوا جو پردہ اُٹھا روئے یار کا　　پردہ ڈھکا رہا مرے صبر و قرار کا

(سرور)

★

حسنِ معنی جو ہوا پردہ کشائے نیچر　　چٹکیاں لینے لگی دل میں ادائے نیچر
تیری قدرت جو ہوئی جلوہ فزائے نیچر　　ماہ و خورشید ہوئے محوِ لقائے نیچر
پھر تو بے پردہ نظر آئی تجلّی تیری
دل کے آئینے میں تصویر اُتر آئی تیری

آشکارا ہوئی وحدت تری کثرت بنکر　　نظر آنے لگی خلوت تری جلوت بنکر
تو جو ظاہر ہوا پردے سے حقیقت بنکر　　پھر تو اُڑنے لگی شہرت تری نکہت بنکر
بن کے جب کارگہہ دہر میں اُستاد آیا
لئے اک لو قلموں پردہ ایجاد آیا

تری شوخی نے اُٹھایا جو حیا کا پردہ　　نظر آیا عجب اک حسن ادا کا پردہ
اُٹھ گیا صاف جو حائل تھا خفا کا پردہ　　رُخ کا پردہ تھا نقابِ رُخِ دُنا کا پردہ
بن کے آئے نظر ایام ولیالی دونو
تھے تری جلوہ نمائی سے نہ خالی دونو

اپنے بندوں سے جو پردہ تجھے ستار نہ تھا — کوئی بندہ ترا حسرت کش دیدار نہ تھا

درمیاں میں جو ترا پردہ اسرار نہ تھا — آئینہ تشنہ لب جلوۂ انوار نہ تھا

لاکھ پردوں سے نظر تو مجھے ستار آیا

حسن بن کر ترا یوسف سر بازار آیا

تیری صورت میں عجب عالم یکتائی تھا — ایک عالم تری صورت کا تماشائی تھا

تو نہ کب تشنہ لب انجمن آرائی تھا — برق بے پردہ نہ کب پردۂ رعنائی تھا

شوخی حسن ازل کتنی تھی دلہن بنکر

میں رہوں گی نہ چراغ تہ دامن بنکر

تو اٹھاتا نہ اگر پردۂ انوار شہود — دیکھتا کون تجلی تری یا رب ودود

پردۂ غیب سے ہوتا کسی شے کا نہ وجود — ہیں کرشمے ترے جلوے کے یہ سب یا معبود

تو نہ پردے میں اگر پردہ کشائی کرتا

کس کو قدرت تھی کہ پیدا یہ خدائی کرتا

محتجب پردۂ وحدت میں جو کثرت ہوتی — پردہ داری جو ترے حسن کی عادت ہوتی

تو خدائی تری ہوتی نہ یہ خلقت ہوتی — اور ہی عالم ایجاد کی صورت ہوتی

چاند سورج بھی نہ ہوتے نہ یہ تارے ہوتے

تیری قدرت کے نہ آنکھوں کو نظارے ہوتے

گھر سے بے پردہ نکلتی جو نہ وحدت تیری — بیٹھی ہوتی کہیں سمٹی ہوئی کثرت تیری

منھ چھپا لیتی دلہن بنکے جو قدرت تیری — کس پہ کھلتی مرے ستار حقیقت تیری

رُخ سے پردہ جو حیا کا نہ اُٹھایا ہوتا
بن کے یوسف سرِ بازار نہ آیا ہوتا

تُو اُٹھاتا نہ اگر پردہ اخفائے عدم — دیکھنے والے تجلّی کے ترے کون تھے ہم
تُو دکھاتا نہ اگر جلوہٴ انوارِ حرم — کس پہ کھلتا مرے ستّار ترا رازِ قدم

پوجتی پاؤں میں اک بُت کے خدائی تیری
شکر ہے ہم کو تجلّی نظر آئی تیری

حسنِ باطن کو جو پردے میں بٹھالا ہوتا — نور تیرا ترے آغوش کا پالا ہوتا
طور پہ برقِ تجلّی کو سنبھالا ہوتا — گھر سے بے مقنع و چادر نہ نکالا ہوتا

آنکھ موسیٰ سے جو تو نے نہ لڑائی ہوتی
طور پہ برقِ تجلّی نہ گرائی ہوتی

حسنِ ایجاد کا پردہ تو اُٹھاتا نہ اگر — تیری صنعت کے نمونے نظر آتے کیونکر
وہ عناصر کا ہیولا جسے کہتے ہیں بشر — بطنِ مادر کے نہ پردے سے نکلتا باہر

برق پردہ جو نہ گرتی تری چلمن بنکر
بیٹھ جاتی کہیں شوخی تری دلہن بنکر

جلوہ فرما نہ ترا حسن تماشا ہوتا — کہ خود آئینہ تو آئینہ سیما ہوتا
اپنے بندوں سے جو یارب تجھے پردہ ہوتا — آکے دنیا میں ترا حسن نہ رسوا ہوتا

تجھ کو تشہیر کیا تیری خود آرائی نے
کردیا عام تجھے جلوہ ہرجائی نے

اکتوبر ۱۹۰۷ء

(مطبوعہ بہبود یبقوپریس دہلی)

اُردو کی
اوّلین
پاکٹ بکس
ناشران
مشورہ بک ڈپو
مشورہ